انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ حیاتِ نو دہلی

مدیر اعزازی رضوان احمد فلاحی

جلد ۷، شمارہ ۶ ــ ۷ | جون ــ جولائی ۲۰۲۲ء | ذی قعدہ ــ ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ

ادارتی امور کے لیے رابطہ کریں: 9927206518،8287025094 | انتظامی امور کے لیے رابطہ کریں: 7011838453

ای میل: jareedahayatenau@gmail.com

فی شمارہ	:	اندرون ملک	۳۰/روپے
		بیرون ملک	۵/امریکی ڈالر
خصوصی شمارہ	:		۱۰۰ روپے
سالانہ زرتعاون	:	اندرون ملک	۳۰۰/روپے
		بیرون ملک	۲۰/امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ	:	اندرون ملک	۵۰۰۰/روپے
		بیرون ملک	۳۰۰/امریکی ڈالر

مجلس ادارت

۱۔ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی
۲۔عبداللہ زکریا فلاحی
۳۔تنویر آفاقی فلاحی
۴۔امتیاز وحید فلاحی
۵۔عبدالرحمن زریاب فلاحی
۶۔نجم الہدیٰ ثانی فلاحی
۷۔محمد انس فلاحی مدنی

ہمارے نمائندے

۱۔ظفر احمد اثری فلاحی، لندن
۲۔موسیٰ کلیم فلاحی، متحدہ عرب امارات
۳۔حسن حبیب فلاحی، نیپال
۴۔فیاض احمد فلاحی، قطر
۵۔محمد سموئیل فلاحی، کویت
۶۔ڈاکٹر انعام اللہ فلاحی، سعودی عرب
۷۔ذوالقرنین حیدر سبحانی، ملیشیا

★ رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگوانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔

★ مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Printed, Published & Owned by Sayyed Rashid Hamdi ,F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Printed at**: Ala Printing Press, 3636, Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006. **Published at**:F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Editor:** Rizwan Ahmad Falahi

نقوشِ حیات

اداریہ	شعبۂ تخصص برائے قرآنیات	مدیر	۴
	مولانا ابوالبقاء ندوی	ابوالاعلیٰ سید سبحانی	۶
قرآن فہمی	اردو تراجم قرآنی پر ایک نظر	ڈاکٹر محی الدین غازی	۷
	فساد فی الارض	محمد اکمل فلاحی	۱۳
	قرآناً عربیاً کا ترجمہ	زریاب احمد فلاحی	۲۷
	سورۃ العصر: ایک مطالعہ	ابوعدیم فلاحی	۳۵
بحث ونظر	رمضان کے بعد حکمِ الٰہی اتقوا اللہ کی پاسداری	ساجدہ ابواللیث فلاحی	۴۲
	صفہ: عملی بھائی چارے کی ایک انوکھی مثال	محمد اقرار خاں فلاحی مدنی	۴۹
تعلیم وتدریس	جامعۃ الصالحات رامپور میں مطالعہ قرآن	ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی	۶۰
حسنِ معاشرت	والدین کے حقوق	ڈاکٹر ابوعبداللہ فلاحی	۷۷
یادرفتگاں	جانے والے تیری عظمت کو سلام	ڈاکٹر فیصل اقبال فلاحی	۸۸
کتاب شناسی	القواعد الفقھیہ	عمار جاوید خاں	۹۲
اخبار انجمن	مسابقہ مضمون نویسی	ادارہ	۹۵

❖❖❖

مقالہ نگاران

۱۔ابو الاعلیٰ سید سبحانی ،صدر انجمن طلبہ قدیم ،جامعۃ الفلاح

۲۔ ڈاکٹر محی الدین غازی فلاحی،سکریٹری تصنیفی اکیڈمی ، جماعت اسلامی ہند نئی دہلی

۳۔محمد اکمل فلاحی ،اسلامک انفارمیشن سنٹر، پونے ،مہاراشٹرا

۴۔زریاب احمد فلاحی،معاون استاد محکمہ بنیادی تعلیمات ،اعظم گڑھ

۵۔ابوعدیم فلاحی ،استاذ جی ٹی کنذن ماڈل انٹر کالج ،امروہہ، یوپی

۶۔ساجدہ ابواللیث فلاحی،صدر انجمن طالبات قدیم ،جامعۃ الفلاح

۷۔ محمد اقرار خان فلاحی مدنی،علمی معاون برائے ڈاکٹر تنیضب الفایدی ،مدینہ منورہ

۸۔ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی ،اسسٹنٹ پروفیسر ،شعبہ مطالعات اسلامی ،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

۹۔ ڈاکٹر ابوعبداللہ فلاحی ،استاد حدیث ،جامعۃ الفلاح

۱۰۔ڈاکٹر فیصل اقبال فلاحی ،اسسٹنٹ پروفیسر ،آیورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج ،قرول باغ ،نئی دلی

۱۱۔ عمار جاوید خان ،متعلّم ،جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ ،ریاض

۱۲۔رضوان احمد فلاحی ،مدیر حیاتِ نو

شعبۂ تخصص برائے قرآنیات

ھل من مجیب؟

فارغین جامعہ کے ایک حلقے میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ جو طلبہ فراغت کے بعد مزید تعلیم کی خاطر ملک کے دیگر معروف دینی اداروں، بالخصوص دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ اور دارالعلوم دیوبند بغرض تعلیم جاتے ہیں، وہ درحقیقت خود کو ایک سے زاید 'ثقافتوں' سے مستفید کرنے کی خواہش رکھتے ہیں جو ظاہر ہے، ان اداروں سے بطور طالب علم وابستگی سے ہی ممکن ہے۔ ان کی اس خوش خیالی کا دائرہ اس سے بھی زیادہ وسیع ہے کہ وہ جامعہ سے ماضی میں تعلق رکھنے والی بعض اہم شخصیات کو جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں، اس روایت کا بانی قرار دیتے ہیں۔ حالاں کہ اس رومانویت کا حقیقت سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔

جہاں تک فارغین جامعہ کا تعلق ہے، ان کی دیگر اداروں سے بطور طالب علم وابستگی امر واقعہ ہے۔ لیکن اس وابستگی کا سبب ان حضرات کا بڑھا ہوا شوق علم ہے جس کی تسکین کا سامان فراغت کے بعد جامعہ کے در و بام میں کبھی پایا نہیں گیا۔ جامعہ کے قیام پر پچاس سال سے زاید کا عرصہ گزر چکا ہے اور ذمہ داران نے اس جانب کبھی توجہ نہیں دی۔ (صرف ایک استثناء ہے کہ پروفیسر عبیداللہ فہد فراغت کے بعد درجہ تخصص سے وابستہ ہوئے تھے۔ جو ان سے شروع ہو کر ان ہی پر ختم ہو گیا۔) یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے جس طرح فارغین جامعہ، عربی ادب میں تخصص کے لیے ندوۃ العلماء اور حدیث وفقہ وافتاء میں مہارت حاصل کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند کا رخ کرتے ہیں، اسی طرح دیگر اداروں کے فارغین قرآن کریم میں محققانہ طور پر تخصص حاصل کرنے کے لیے، جامعۃ الفلاح کا رخ کریں گے بشرطے کہ وہاں اس کا انتظام ہو جائے۔

ہم عالم امکان میں زندہ ہیں۔ 'اگر ایسا ہو جائے تو یوں ہو جائے گا' کہنے کی حد تک بہت آسان ہے۔ بات کے آگے سوالیہ نشان اس وقت لگتا ہے جب اسے عملی رنگ و روپ دینے کی بات ہوتی ہے۔ اگر کسی خیال کی عملی صورت گری کی خواہش یا حوصلہ نہ ہو تو ہزاروں خوب صورت بہانے تراشے جا سکتے ہیں۔ سب سے مؤثر بہانہ یہ ہوتا ہے کہ 'مجوزہ منصوبہ بہت عمدہ ہے اور اسے منظور بھی کیا جاتا ہے، جیسے ہی کوئی مناسب فرد ملے گا

اس پر عمل درآمد کیا جائے گا۔' آج سے پورے پچیس سال قبل، راقم نے ذمہ داران جامعہ کی خدمت میں جامعہ سے ایک علمی وتحقیقی مجلہ کے اجراء کی تجویز ضروری تفصیلات کے ساتھ پیش کی تھی جسے شوریٰ کے اجلاس میں پیش کر کے 'بخوشی' منظور کرلیا گیا تھا اور راقم کو اوپر منقول جملے کے ساتھ منظوری سے مطلع کر دیا گیا تھا۔ فائل میں تاحال موجود اس وقت کے ناظم جامعہ کا خط ابھی تک 'مردے از غیب' کی آمد کے انتظار کی تلقین کر رہا ہے۔ یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ ہم پھر اس موضوع کی طرف آتے ہیں جس سے بات کا آغاز ہوا تھا۔

جامعۃ الفلاح کے دستور میں اس کا ایک امتیاز ''قرآن مجید کی محققانہ تعلیم'' بتایا گیا ہے۔ اس امتیاز کا تقاضہ ہے کہ شعبۂ اعلیٰ کی مدت تعلیم کی تکمیل کے بعد، قرآن مجید کی مزید اور محققانہ تعلیم کے لیے کم از کم دو سال پر محیط شعبۂ تخصص قائم کیا جائے۔ اس کے لیے ایک گٹھا ہوا (intensive) اور جامع (comprehensive) نصاب تعلیم ماہرین کی مدد سے ترتیب دیا جائے۔ اس میں تدریس کے لیے جامعہ کے اساتذہ کے علاوہ دیگر تدریسی اور تحقیقی اداروں کے ماہرین کی بھی حسب سہولت خدمات حاصل کی جائیں۔

اس سیاق میں، ایک اور پہلو توجہ طلب ہے، اور وہ ہے ادارۂ علمیہ کو متحرک وفعال بنانا۔ راقم کے محدود علم کی حد تک، اس ادارے نے اب تک یا تو کورس کی کتابیں شائع کی ہیں یا پھر کچھ فکری اور نظریاتی کتابیں عربی سے ترجمہ کروا کر شائع کی ہیں۔ ایسی مطبوعات سے استفادے کا دائرہ بالعموم ہم خیال افراد و اداروں تک محدود رہتا ہے۔ بہتر ہوگا اگر اس ادارے سے ایسی علمی اور تحقیقی کتابیں شائع ہوں جن سے سبھی طبقۂ فکر کے افراد یکساں استفادہ کر سکیں۔

خواہش، توجہ اور بالفعل دل چسپی، کسی بھی امکان کو عمل میں ڈھالنے کے ناگزیر عوامل ہیں۔ ذمہ داران جامعہ اگر مخلصانہ طور پر چاہیں تو دو سالہ شعبۂ تخصص کا قیام خواب سے حقیقت بن سکتا ہے۔ یقیناً اس راہ میں مشکلات بھی آئیں گی۔ تاہم ان پر اجتماعی کوششوں کی مدد سے قابو پانے کی راہیں تلاش کی جا سکتی ہیں۔ اس راہ پر آگے بڑھنے کے لیے پہلا قدم جامعہ سے متعلق ان غیر تدریسی، غیر علمی اور غیر تحقیقی سرگرمیوں کی طرف سے ذمہ داران جامعہ کو اپنی توجہ کم کرنی ہوگی جو جامعہ کے قیام کی غرض وغایت کبھی نہیں رہی ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Anjuman Talaba-e-Qadeem Jamiatul Falah

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح

Ref No. .... Date ٢٠٢٢.٠٥.٢١

سابق ناظم جامعۃ الفلاح مولانا ابوالبقاء ندوی کا سانحۂ ارتحال

آج علی الصبح یہ افسوس ناک اطلاع ملی کہ سابق ناظم جامعہ مولانا ابوالبقاء ندوی صاحب اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا ابوالبقاء ندوی صاحب مرحوم ایک عرصہ سے جامعۃ الفلاح سے وابستہ تھے۔ جامعہ کی مجلس شوریٰ اور عاملہ کے ایک طویل عرصے تک رکن رہے۔ مولانا سید جلال الدین عمری صاحب جامعۃ الفلاح کے ناظم ہوئے تو آپ نے اپنی نیابت کے لیے مولانا مرحوم کا انتخاب فرمایا۔ بعد میں آپ ناظم ہوئے اور ایک معمولی وقفے کے بعد پھر ایک میقات تک معتمد مال کی ذمہ داری ادا کرتے رہے۔

گزشتہ دنوں جامعہ کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں بحیثیت صدر انجمن شرکت کرنے کا موقع ملا۔ اس دوران مولانا مرحوم سے کافی اچھی ملاقات رہی۔ مولانا اکثر فون کیا کرتے تھے اور انجمن و جامعہ کے حالات سے متعلق دیر تک باتیں کیا کرتے تھے۔

تقریباً چھ ماہ قبل مولانا کی صحت سے متعلق کچھ خبریں موصول ہوئیں۔ بعد میں تصدیق ہوئی کہ مولانا مرحوم ایک شدید موذی مرض سے دوچار ہیں۔ اس دوران مستقل مولانا مرحوم کی صحت سے متعلق فکرمندی لاحق رہی اور احباب سے تفصیلات موصول ہوتی رہیں۔ آج بعض احباب سے پتہ چلا کہ دو دن سے طبیعت کافی زیادہ ناسازی کا شکار ہو گئی تھی۔ بالآخر بہت سے چاہنے والوں کو سوگوار چھوڑ کر مولانا اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

اللہ رب العزت مرحوم کی مغفرت فرمائے، کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے، آمین۔ تغمده الله برحمته الواسعة وادخله فسيح جناته

Abulaala

ابوالاعلیٰ سید سبحانی

صدر انجمن طلبۂ قدیم، جامعۃ الفلاح

Bilariyaganj, Azamgarh, U.P. 276121

atq.jamiatulfalah@gmail.com | www.atqjamiatulfalah.org

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر

مولانا امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں

ڈاکٹر محی الدین غازی

(185) استجاب کا ترجمہ

قرآن مجید میں استجاب کا لفظ مختلف صیغوں کے ساتھ آیا ہے، جہاں یہ بندوں کے لیے آیا ہے، وہاں اس لفظ سے مراد ہوتی ہے پکار پر لبیک کہنا، اور جہاں یہ اللہ کے لیے آیا ہے، وہاں مراد ہوتی ہے دعا قبول کرنا، مراد بر لانا اور دادرسی کرنا۔ جھوٹے معبودوں کے سلسلے یہ لفظ یہ بتانے کے لیے آتا ہے کہ یہ معبودان باطل پکارنے والوں کی کچھ بھی دادرسی نہیں کرسکتے۔

پہلے مفہوم کی وضاحت علامہ ابن عاشور اس طرح کرتے ہیں:

والاستجابة: مبالغة في الإجابة، وخصت الاستجابة في الاستعمال بامتثال الدعوة أو الأمر۔ (التحریر والتنویر: 25 / 90)

دوسرے معنی کی وضاحت علامہ ابن عاشور اس طرح کرتے ہیں:

والاستجابة: الإجابة، والسين والتاء فيه للتأكيد وهي مستعملة في المعاونة والمظاهرة على الأمر المستعان فيه۔ (التحرير والتنوير: 12 /21)

والاستجابة تطلق على إعطاء المسئول لمن سأله وهو أشهر إطلاقها۔ (التحریر والتنویر: 24/ 182)

استجاب کا استعمال جواب دینے کے لیے نہیں آتا ہے، بطور خاص قرآن مجید میں تو یہ کہیں بھی استفسار کے سیاق میں نہیں آیا ہے، جہاں بھی آیا ہے طلب کے سیاق میں آیا ہے، طلب اگر اوپر سے آئے تو منشا یہ ہوتی ہے کہ اس کی تعمیل کی جائے اور اس پر لبیک کہا جائے، اور اگر طلب کسی حاجت مند کی طرف سے ہو، تو وہ طلب دادرسی اور قبولیت کا انتظار کرتی ہے، نہ کہ محض جواب کا۔

ہم نیچے قرآن مجید کے کچھ ایسے مقامات ذکر کریں گے، جہاں مختلف صیغوں سے استجاب آیا ہے، اکثر

مترجمین نے تو قبول کرنے کا ترجمہ کیا ہے، لیکن بعض مترجمین نے بعض مقامات پر جواب دینا ترجمہ کر دیا ہے، جو مناسب نہیں ہے۔

(1) إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (الأعراف:194)

''تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہو وہ تو محض بندے ہیں جیسے تم بندے ہو ان سے دعائیں مانگ دیکھو، یہ تمہاری دعاؤں کا جواب دیں اگر ان کے بارے میں تمہارے خیالات صحیح ہیں''۔ (سید مودودی)

''وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو''۔ (امین احسن اصلاحی)

''پھر وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو''۔ (احمد رضا خان)

''اگر سچے ہو تو چاہیے کہ وہ تم کو جواب بھی دیں''۔ (فتح محمد جالندھری)

''پھر ان کو چاہیے کہ تمہارا کہنا کر دیں اگر تم سچے ہو''۔ (محمد جونا گڑھی)

(2) فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ من ذكر أو أنثى (آل عمران:195)

''جواب میں ان کے رب نے فرمایا،''میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں خواہ مرد ہو یا عورت''۔ (سید مودودی)

''تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا''۔ (فتح محمد جالندھری)

(3) إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ (الأنفال:9)

''اور وہ موقع یاد کرو جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے جواب میں اس نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لیے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں''۔ (سید مودودی)

''اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو لگاتار چلے آئیں گے''۔ (محمد جونا گڑھی)

(4) فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ (یوسف:34)

''اس کے رب نے اس کی دعا قبول کی اور اُن عورتوں کی چالیں اس سے دفع کر دیں''۔ (سید مودودی)

(5) إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ (فاطر:14)

''انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے''۔ (سید مودودی)

''تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں، اور بالفرض سن بھی لیں تو تمہاری حاجت روانہ کرسکیں''۔ (احمد رضا خان)

''تم انہیں پکارو گے تو تمہاری آواز کو نہ سن سکیں گے اور سن لیں گے تو تمہیں جواب نہ دے سکیں گے''۔ (جوادی)

(6) وَنُوحًا إِذْ نَادَى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ (الأنبیاء:76)

''اور یہی نعمت ہم نے نوحؑ کو دی یاد کرو جبکہ اِن سب سے پہلے اُس نے ہمیں پکارا تھا ہم نے اس کی دعا قبول کی''۔ (سید مودودی)

(7) فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ (الأنبیاء:84)

''ہم نے اس کی دُعا قبول کی اور جو تکلیف اُسے تھی اس کو دُور کر دیا''۔ (سید مودودی)

(8) فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَى (الأنبیاء:90)

''پس ہم نے اس کی دُعا قبول کی اور اسے یحییٰ عطا کیا''۔ (سید مودودی)

(9) وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ (الکهف:52)

''اس روز جب کہ ان کا رب ان سے کہے گا کہ پکارو اب ان ہستیوں کو جنہیں تم میرا شریک سمجھ بیٹھے تھے، یہ ان کو پکاریں گے، مگر وہ ان کی مدد کو نہیں آئیں گے''۔ (سید مودودی)

''تو وہ ان کو بلائیں گے لیکن وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے''۔ (امین احسن اصلاحی)

(10) وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ (الرعد:14)

''رہیں وہ دوسری ہستیاں جنہیں اس کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ اُن کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں''۔(سید مودودی)

''جو لوگ اوروں کو اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان (کی پکار) کا کچھ بھی جواب نہیں دیتے''۔(محمد جوناگڑھی)

''رہے وہ جن کو یہ اس کے سوا پکارتے ہیں تو وہ ان کی کوئی بھی دادرسی نہیں کرسکتے''۔(امین احسن اصلاحی)

''اور جن کو یہ لوگ اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کو کسی طرح قبول نہیں کرتے''۔(فتح محمد جالندھری)

(11) وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَائَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ (القصص:64)

''تو وہ ان کو پکاریں گے لیکن وہ ان کو جواب نہ دیں گے''۔(امین احسن اصلاحی)

''اور کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ۔ تو وہ اُن کو پکاریں گے اور وہ اُن کو جواب نہ دے سکیں گے''۔(فتح محمد جالندھری)

''پھر اِن سے کہا جائے گا کہ پکارو اب اپنے ٹھیرائے ہوئے شریکوں کو یہ انہیں پکاریں گے مگر وہ اِن کو کوئی جواب نہ دیں گے''۔(سید مودودی)

''کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ، وہ بلائیں گے لیکن انہیں وہ جواب تک نہ دیں گے''۔(محمد جوناگڑھی)

''تو کہا جائے گا کہ اچھا اپنے شرکاء کو پکارو تو وہ پکاریں گے لیکن کوئی جواب نہ پائیں گے''۔(ذیشان جوادی)

''اور ان سے کہا جائے گا کہ اب اپنے شریکوں کو بلاؤ۔ تو وہ ان کو پکاریں گے لیکن وہ ان کو جواب نہ دیں گے''۔(امین احسن اصلاحی)

''اور ان سے فرمایا جائے گا اپنے شریکوں کو پکارو تو وہ پکاریں گے تو وہ ان کی نہ سنیں گے''۔(احمد رضا خان)

مذکورہ بالا اس آیت میں اکثر لوگوں نے جواب دینے کا ترجمہ کیا ہے، حالانکہ سیاق کلام میں جواب دینے کا کوئی محل ہی نہیں ہے، شریکوں سے جواب مانگنے کی بات نہیں ہے بلکہ بات یہ کہی جارہی ہے کہ انہیں مدد

کے لیے پکاروگے تو وہ تمہاری مدد نہیں کرسکیں گے۔

(186) یفقھون کا ترجمہ

فقہ یفقہ کا مطلب سمجھنا ہوتا ہے، عام طور سے یہی ترجمہ کیا گیا ہے، لیکن بعض مقامات پر بعض مترجمین نے سوچنا یا جاننا کردیا ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔ درج ذیل مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

(1) لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا (الأعراف:179)

''ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں''۔ (سید مودودی)

''ان کے دل و دماغ ہیں مگر سوچتے نہیں ہیں''۔ (محمد حسین نجفی)

''ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں''۔ (فتح محمد جالندھری)

(2) وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ (المنافقون:7)

''لیکن یہ منافقین نہیں جانتے''۔ (امین احسن اصلاحی)

''مگر یہ منافق سمجھتے نہیں ہیں''۔ (سید مودودی)

(3) قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ (الأنعام:98)

''یہ نشانیاں ہم نے واضح کردی ہیں اُن لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں''۔ (سید مودودی)

(4) وَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ (التوبة:87)

''اوران کے دلوں پر ٹھپہ لگادیا گیا، اس لیے ان کی سمجھ میں اب کچھ نہیں آتا''۔ (سید مودودی)

(5) بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ (الأنفال:65)

''کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے''۔ (سید مودودی)

(6) بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ (التوبة:127)

''کیونکہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں''۔ (سید مودودی)

(7) بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ (الحشر:13)

''اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتے''۔ (سید مودودی)

(187) جیب کا ترجمہ جیب نہیں

درج ذیل آیتوں کے ترجمے دیکھیے:

(1) وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ (الأعراف:108)

''اس نے اپنی جیب سے ہاتھ نکالا اور سب دیکھنے والوں کے سامنے وہ چمک رہا تھا''۔(سید مودودی)

(2) وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ (الشعراء:33)

''پھر اُس نے اپنا ہاتھ (بغل سے) کھینچا اور وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا''۔(سید مودودی)

(3) وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ (النمل:12)

''اور ذرا اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں تو ڈالو''۔(سید مودودی)

(4) اسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ (القصص:32)

''اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال''۔(سید مودودی)

پہلی آیت میں جیب کا ذکر ہے، حالانکہ وہاں کوئی لفظ نہیں ہے جس کا ترجمہ جیب کیا جائے۔ بالکل اسی طرح کی دوسرے نمبر والی آیت میں قوسین میں جیب کی بجائے بغل ہے۔ تیسرے اور چوتھے جملوں میں جیب کا لفظ آیا ہے، تاہم اس کا ترجمہ گریبان کیا ہے۔ جیب کا ترجمہ گریبان اور بغل تو درست ہے، تاہم جیب کا ترجمہ جیب درست نہیں ہے۔ اور لفظی لحاظ سے تو وہاں صرف ہاتھ نکالنے کا ذکر ہے، کسی چیز کا ذکر ہی نہیں ہے کہ ترجمے میں اسے ذکر کیا جائے۔

اس طرح پہلی آیت کا درست ترجمہ حسب ذیل ہے:

''اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں کی نگاہوں میں سفید براق (تھا)''۔(فتح محمد جالندھری)

❖❖❖

فساد فی الارض

(دوسری اور آخری قسط)

محمد اکمل فلاحی

بیت المقدس، شام اور یمن کے علاوہ دنیا بھر میں جو ظالمانہ جنگ جاری ہے، اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ظالم بادشاہوں، ظالم حکمرانوں، ظالم سربراہوں اور ظالم وزیروں کی یہ خواہش ہے کہ وہ عوام پر مسلط رہیں، ان کے ملک کی دولت سمیٹ لیں، ان کے عوام پر قہر ڈھائیں، انھیں ذلیل ورسوا کریں اور دنیا کی نگاہوں کے سامنے اور ادھر ادھر انسانی حقوق کا ڈھنڈورا پیٹ کر ان سے ہمدردی جتائیں۔ اب جب کہ وقت نے ان کے جھوٹ اور ان کی افترا پردازی کا پردہ فاش کر دیا ہے کہ یہی ہیں جو ان ملکوں میں ہر جگہ موت کا بیج بو رہے ہیں، ان کے عوام کے خلاف موت کی گھناؤنی ترکیبیں استعمال کر رہے ہیں، ان عوام کے لیے امن وسلامتی کی عدمِ تکمیل اس بات کو مزید تقویت پہنچاتی ہے کہ وہ دنیا کے کمزور عوام پر تسلط جمانے، ان سے ان کے ارادوں اور ان کی آزادی چھین لینے کے خواہاں ہیں۔

یہ سب فساد ہے، جہاں اصلاح نام کی کوئی چیز نہیں،

یہ سب فساد کی مختلف شکلیں ہیں، جہاں اصلاح کی کوئی شکل نہیں،

یہ سب تذلیل وتحقیر ہے، جہاں انسانیت کی عزت واحترام کا کوئی سوال نہیں،

یہ سب خوف ودہشت ہے، جہاں امن وسلامتی کی کوئی بات نہیں،

یہ سب شر ہے، جہاں خیر کا کوئی گذر نہیں،

یہ سب ظلم وناانصافی ہے، جہاں عدل وانصاف کی کوئی بات نہیں،

یہی ہیں جو فساد پھیلانے اور فساد مچانے والے ہیں، گرچہ وہ اس بات کا دعویٰ کریں کہ وہ اصلاح پسند ہیں۔ کیونکہ اللہ نے اپنی کتاب میں انھیں جھوٹا قرار دیا اور ان کے جھوٹ کو ثابت کر دیا ہے:

(أم نجعل الذین آمنوا وعملوا الصالحات کالمفسدین فی الأرض أم نجعل المتقین کالفجار) (ص:28)

''کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لاتے اور نیک اعمال کرتے ہیں اور ان کو جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یکساں کر دیں؟ کیا متقیوں کو ہم فاجروں جیسا کر دیں؟

فسادفی الارض کی ممانعت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ) (الاعراف:56)

''زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے اور خدا ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ، یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔''

اور فرمایا:

(وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ) (سورۃ الشعراء:183)

''اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔''

اللہ تعالیٰ نے زمین کی اصلاح کا حکم دیا ہے اور زمین کی اصلاح کے لیے اپنے نبیوں کو بھیجا، شعیب علیہ السلام کی زبانی فرمایا:

(إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ) (ھود: 88)

''میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں جہاں تک بھی میرا بس چلے۔''

اور زمین میں فساد پھیلانے والوں کی مذمت کی ہے اور برے انجام سے آگاہ کیا ہے، فرمایا:

(فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ) (النمل:14)

''اب دیکھ لو کہ اُن مفسدوں کا انجام کیسا ہوا؟''

(وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ) (یونس:40)

''اور تیرا رب ان مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔''

(إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ) (یونس:81)

اللہ تعالیٰ نے صاف صاف بتا دیا ہے کہ وہ فساد کو ناپسند کرتا ہے، اور صلاح وفساد کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن

نہیں، دونوں میں کشمکش جاری رہے گی تا کہ صلاح فساد پر غالب آجائے۔

فسادفی الارض کی تباہ کاریاں

امام زمخشری نے فسادفی الارض کی تباہ کاریوں اورفتنہ سامانیوں پرروشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

الفساد فی الأرض: هيج الحروب والفتن، لأن فی ذلك فساد ما فی الأرض وانتفاء الاستقامة عن أحوال الناس والزروع والمنافع الدينية والدنيوية .(الکشاف ج۱ ص:۱۰۰۔۱۰۱)

''جنگ اور فتنے کی آگ بھڑکانا فسادفی الارض ہے؛ کیونکہ اس سے زمین کے نظام میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، انسانی زندگی میں بے اعتدالی آتی ہے، کھیتیاں تباہ و برباد ہوتی ہیں اور دینی اور دنیاوی برکتوں سے محرومی ہاتھ آتی ہے۔''

فسادسماج کے لیے ایک مصیبت ہے؛ کیونکہ وہ ملک کواجاڑ دیتا ہے، شہریوں کوذلیل ورسوا کر دیتا ہے اور بہت سے سیاسی، معاشرتی، معاشی، ثقافتی اورحفاظتی دشواریوں کوجنم دیتا ہے، جب تک کسی سماج میں فساد پھیلتا رہے گا اور فساد پھیلانے والے اس میں دندناتے پھرتے رہیں گے تب تک وہ سماج ترقی نہیں کرسکتا۔

فسادفی الارض کا معاملہ بڑا سنگین ہوتا ہے اوراس کا انجام بھی برا ہوتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زمین میں فساد پھیلانے کی سنگینی سے باخبر کیا ہے، فرمایا:

(ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ) (الروم:41)

''خشکی اورتری میں فساد برپا ہوگیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تا کہ مزا چکھائے اُن کواُن کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آجائیں۔''

مفسدوں کا اصلاح پسندوں پرفساد پھیلانے کاالزام

''صالح اوراصلاح پسندوں کی تصویر بگاڑنا فتنہ پروراورفساد مچانے والوں کی عادتِ ثانیہ رہی ہے، تا کہ لوگ ان کے اردگرد جمع نہ ہوسکیں اوران کے ذریعے ان کے بگاڑ کی اصلاح نہ ہوسکے۔

ہر زمانے میں فساد پھیلانے والے یہ دعویٰ کرتے رہے ہیں کہ وہ اصلاح چاہتے اور اصلاح کرنے والے ہیں اوران کا یہ طریقہ رہا ہے کہ صحیح معنوں میں جو اصلاح کرنے والے ہیں انھیں یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ تو ملک کے غدار ہیں اورزمین میں سرکشی اور فساد پھیلانا چاہتے ہیں، اس طرح کا پروپیگنڈہ وہ اس لیے کرتے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں کہ اصلاح واعتدال تو دراصل یہی لوگ چاہتے ہیں۔

مفسدوں کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ اصلاح کوفساداور فساد کو اصلاح، حق کو باطل اور باطل کوحق کا نام دیتے ہیں، تاکہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے رہیں۔ ان کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ دینِ توحید کو کفر وشرک کے ذریعے بدلنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، اسی طرف مندرجہ ذیل آیات اشارہ کرتی ہیں:

پہلی آیت:

(وَإِذا قيل لَهُم لَا تفسدوا فِي الأَرْض قَالُوا إِنَّمَا نَحن مصلحون أَلا إِنَّهُم هم المفسدون وَلَكِن لَا يَشْعُرُونَ) (البقرۃ:11، 12)

''جب کبھی ان سے کہا گیا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو، توانہوں نے یہی کہا کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار، حقیقت میں یہی لوگ مفسد ہیں مگر انھیں شعور نہیں ہے۔''

دوسری آیت:

فرعون نے موسیٰ پر الزام لگاتے ہوئے کہا:

(إِنِّي أَخَافُ أَن يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَن يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ) (المؤمن/ غافر:26)

''مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمھارا دین بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا۔''

فرعون نے موسیٰ پر زمین میں فساد پھیلانے کا الزام لگایا، حالانکہ وہ خود مفسدوں کا سرغنہ اور سب سے بڑا فساد مچانے والا تھا۔ اس نے مومنوں پر تبدیلئ دین کا الزام لگایا۔ فرعون کو ماننے والے سمجھتے تھے کہ وہ جس گمراہی میں ہیں وہی دینِ حق ہے، اور جس نے انھیں ان کے کھوکھلے عقیدے اور ضلالت وگمرہی سے نکالنے کی جد وجہد کی، تواس (فرعون) نے انہی کو زمین میں فساد پھیلانے کا الزام لگا کر دین سے خارج بتایا۔

ایسا ہی ہر زمانے میں دشمنانِ حق کا شیوہ رہا ہے، ایسا ہی کرپٹ لوگوں کا طریقہ رہا ہے، ایسا ہی نافرمانوں، گمراہوں، سرکشوں اور مجرموں کا نظریہ رہا ہے۔

تیسری آیت:

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَى وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُون (الأعراف:127)

''فرعون سے اس کی قوم کے سرداروں نے کہا: کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑ دے گا کہ ملک میں فساد پھیلائیں اور وہ تیری اور تیرے معبودوں کی بندگی چھوڑ بیٹھیں؟ فرعون نے جواب دیا: میں ان کے بیٹوں کو قتل کراؤں گا اور ان کی عورتوں کو جیتا رہنے دوں گا، ہمارے اقتدار کی گرفت ان پر مضبوط ہے۔''

''جاہلیت پرست کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ قوت اور انتقام کی طاقت رکھنے والوں سے صرف شکایت کرنے پر بس نہیں کرتے، بلکہ اہلِ ایمان کو زمین میں فساد پھیلانے والوں میں شمار کرتے ہیں، جیسا کہ انھوں نے فرعون سے کہا:

أَتَذَرُ مُوسَى وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ (الأعراف:127)

انھوں نے اصلاح کو فساد پھیلانے کے ہم معنیٰ قرار دیا، جب کہ سچائی اس کے برعکس ہے، وہ یہ کہ ایمان اور توحید زمین میں درحقیقت اصلاح ہے، اور کفر ومعصیت، فسق وفجور اور ظلم وسرکشی زمین میں فساد پھیلانا ہے، لہٰذا جس راستے پر فرعون اور اس کی قوم تھی وہ فساد والا راستہ تھا، لیکن انھوں نے معاملہ الٹ دیا، چنانچہ اصلاح کو فساد پھیلانا بتایا، یہی ہمیشہ سے کفار ومشرکین اور منافقین کا طریقہ رہا ہے، اصلاح کرنے والوں اور بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلانے والوں کو مفسدوں کی لسٹ میں شامل کرتے ہیں۔'' (شرح مسائل الجاہلیۃ ج1 ص:196)

یہ بات بالکل واضح ہے کہ فرعون کی قوم نے اسے طاقت کا سہارا لینے اور حق کی آواز دبانے اور ایمان کے نور کو بجھانے پر اکسایا۔ ہر دور میں اور ہر جگہ ان کی پیروی کرنے والوں کا یہی طریقہ رہا ہے۔

فساد فی الارض کے متعلق ایک اعتراض کا جواب

جنگی ضروریات کے پیشِ نظر تخریبی کارروائی کی جاسکتی ہے۔ یہ چیز فساد فی الارض کی تعریف میں نہیں آتی۔

فرمانِ الٰہی ہے:

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ

الْفَاسِقِين (الحشر:5)

''تم لوگوں نے کھجور کے جو درخت کاٹے یا جن کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، یہ سب اللہ ہی کے اذن سے تھا۔ اور (اللہ نے یہ اذن اس لیے دیا) تا کہ فاسقوں کو ذلیل وخوار کرے۔''

مولانا مودودیؒ نے درج بالا آیت کے ضمن میں نا گزیر تخریبی کارروائی پر بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''یہ اشارہ ہے اِس معاملہ کی کہ مسلمانوں نے جب محاصرہ شروع کیا تو بنی نضیر کی بستی کے اطراف میں جو نخلستان واقع تھے ان کے بہت سے درختوں کو انھوں نے کاٹ ڈالا یا جلا دیا تا کہ محاصرہ بآسانی کیا جاسکے، اور جو درخت فوجی نقل وحرکت میں حائل نہ تھے ان کو کھڑا رہنے دیا۔ اس پر مدینہ کے منافقین اور بنی قریظہ اور خود بنی نضیر نے شور مچادیا کہ محمد ﷺ تو ''فساد فی الارض'' سے منع کرتے ہیں، مگر یہ دیکھ لو، ہرے بھرے پھل دار درخت کاٹے جارہے ہیں، یہ آخر ''فساد فی الارض'' نہیں تو کیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ تم لوگوں نے جو درخت کاٹے اور جن کو کھڑا رہنے دیا، ان میں سے کوئی فعل بھی ناجائز نہیں ہے، بلکہ دونوں کو اللہ کا اذن حاصل ہے۔ اس سے یہ شرعی مسئلہ نکلتا ہے کہ جنگی ضروریات کے لیے جو تخریبی کارروائی ناگزیر ہو وہ فساد فی الارض کی تعریف میں نہیں آتی بلکہ فساد فی الارض یہ ہے کہ کسی فوج پر جنگ کا بھوت سوار ہوجائے اور وہ دشمن کے ملک میں گھس کر کھیت، مویشی، باغات، عمارات، ہر چیز کو خواہ مخواہ تباہ و برباد کرتی پھرے۔ اس معاملہ میں عام حکم تو وہی ہے جو حضرت ابوبکر صدیق نے فوجوں کو شام کی طرف روانہ کرتے وقت دیا تھا کہ پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، فصلوں کو خراب نہ کرنا اور بستیوں کو ویران نہ کرنا۔ یہ قرآن مجید کی اِس تعلیم کے عین مطابق تھا کہ اس نے مفسد انسانوں کی مذمت کرتے ہوئے اُن کے اِس فعل پر زجر وتوبیخ کی ہے کہ ''جب وہ اقتدار پالیتے ہیں تو فصلوں اور نسلوں کو تباہ کرتے پھرتے ہیں'' (البقرہ:۵۰۲) لیکن جنگی ضروریات کے لیے خاص حکم یہ ہے کہ اگر دشمن کے خلاف لڑائی کو کامیاب کرنے کی

خاطر کوئی تخریب ناگزیر ہو تو وہ کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے یہ وضاحت فرمادی ہے کہ قطعوا منہا ما کان موضعاً للقتال، ''مسلمانوں نے بنی نضیر کے درختوں میں سے صرف وہ درخت کاٹے تھے جو جنگ کے مقام پر واقع تھے'' (تفسیر نیسابوری) فقہائے اسلام میں سے بعض نے معاملہ کے اس پہلو کو نظر انداز کر کے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ بنی نضیر کے درخت کاٹنے کا جواز صرف اِسی واقعہ کی حد تک مخصوص تھا، اس سے یہ عام جواز نہیں نکلتا کہ جب کبھی جنگی ضروریات داعی ہوں، دشمن کے درختوں کو کاٹا اور جلایا جا سکے۔ امام اوزاعی، لیث اور ابوثور اسی طرف گئے ہیں۔ لیکن جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اہم جنگی ضروریات کے لیے ایسا کرنا جائز ہے، البتہ محض تخریب وغارت گری کے لیے یہ فعل جائز نہیں ہے۔

ایک شخص یہ سوال کرسکتا ہے کہ قرآن مجید کی یہ آیت مسلمانوں کو تو مطمئن کرسکتی تھی، لیکن جو لوگ قرآن کو کلام اللہ نہیں مانتے تھے انھیں اپنے اعتراض کے جواب میں یہ سن کر کیا اطمینان ہوسکتا تھا کہ یہ دونوں فعل اللہ کے اذن کی بنا پر جائز ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کی یہ آیت مسلمانوں ہی کو مطمئن کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے، کفار کو مطمئن کرنا سرے سے اس کا مقصود ہی نہیں ہے۔ چونکہ یہود اور منافقین کے اعتراض کی وجہ سے، یا بطورِ خود، مسلمانوں کے دلوں میں یہ خلش پیدا ہوگئی تھی کہ کہیں ہم ''فساد فی الارض'' کے مرتکب تو نہیں ہو گئے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو اطمینان دلا دیا کہ محاصرے کی ضرورت کے لیے کچھ درختوں کو کاٹنا، اور جو درخت محاصرے میں حائل نہ تھے ان کو نہ کاٹنا، یہ دونوں ہی فعل قانونِ الٰہی کے مطابق درست تھے۔'' (تفہیم القرآن ج ۵ ص: ۳۸۶۔۳۸۷)

مفسدوں کی اتباع نہ کرنے کی تاکید

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کو مفسدوں کے راستے پر نہ چلنے کی بڑی تاکید فرمائی تھی:

(وَقَالَ مُوسٰی لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلاَ تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ)

(الأعراف142)

''موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ: میرے پیچھے تم میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور ٹھیک کام کرتے رہنا اور بگاڑ پیدا کرنے والوں کے طریقے پر نہ چلنا۔''

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مفسدوں کی پیروی کرنے سے روکا، فرمایا:

(وَلا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلا يُصْلِحُونَ) (الشعراء:151 ، 152)

''اُن بے لگام لوگون کی اطاعت نہ کرو، جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔''

ضروری ہے کہ ہم مسلمان فساد پھیلانے والوں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔

ضروری ہے کہ ہم مسلمان لوگوں کو تخریبی اصولوں اور منحرف افکار ونظریات کے پرستاروں کی پیروی کرنے اوراس کے برے انجام سے آگاہ کریں اور بچائیں۔ کیونکہ وہ جہنم کی وادی کی طرف لے جائیں گے جیسا کہ فرعون اوراس کی قوم نے کیا۔ کیونکہ وہ ہلاکت وتباہی اور معصیت وسرکشی کے کھڈ میں گرادیں گے۔

فسادفی الارض سے روکنا ایک سماجی ذمے داری

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُو بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ) ہود:116

''پھر کیوں نہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہلِ خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم، جن کو ہم نے ان قومون سے بچالیا، ورنہ ظالم لوگ تو انہی مزوں کے پیچھے پڑے رہے جن کے سامان انھیں فراوانی کے ساتھ دیے گئے تھے اور وہ مجرم بن کر رہے۔''

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (القصص:76، 77)

''یہ ایک واقعہ ہے کہ قارون موسیٰ کی قوم کا ایک شخص تھا، پھر وہ اپنی قوم کے خلاف سرکش ہوگیا۔ اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ ان کی کنجیاں طاقت ور آدمیوں کی ایک جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی۔ ایک دفعہ جب اس کی قوم کے لوگون نے اس سے کہا: پھول نہ جا، اللہ پھولنے والون کو پسند نہیں کرتا۔ جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔ احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے، اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر، اللہ مفسدون کو پسند نہیں کرتا۔''

یہ آیات ہم سے کہہ رہی ہیں کہ ہم وعظ ونصیحت کے ذریعے اپنی قوم کو کفر وشرک، تکبر وسرکشی، فتنہ وفساد اور ضلالت وگمراہی چھوڑ دینے کا حکم دیں، جیسا کہ بنی اسرائیل کے ''علماء'' نے قارون کو آخرت میں اچھا بدلہ پانے اور اس کے عذاب سے بچنے کی خاطر احسان اور عمل صالح کرنے کی نصیحت کی۔

''الٰہی احکام کے تئیں ایک مسلمان پر دو طرح کی ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں:

پہلی یہ کہ بحیثیت انسان سب سے پہلے وہ خود خدائی احکام کا پابند بنے اور ان کی روشنی میں اپنی زندگی گذارے۔

دوسری یہ کہ ان احکام واوامر کی حفاظت کی جائے اور انھیں پامال ہونے سے بچایا جائے، حدیث میں فرمایا گیا:

"کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیته"

''تم میں کا ہر کوئی ذمے دار ہے اور اپنے ماتحت لوگوں کے بارے میں وہ جواب دہ ہے۔''

"من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه وإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان" (مسلم، كتاب الإيمان)

''تم میں سے جو شخص برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے اسے روکے، اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو اپنے دل میں اسے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

ان دونوں لحاظ سے انسان اپنی ذمے داری ادا کرنے کے لیے جو طاقت حاصل کرتا ہے وہ عقیدے کی طاقت اور ایمان کی پختگی ہوتی ہے، عقیدے کی پاکیزگی اس ذمے داری کو پامال کرنے، اس میں کاہلی

برتنے اوراس کے نفاذ میں کوتاہی کرنے سے بچاتی ہے۔اور جب ان اصول ومبادی میں خلل اور کوتاہی آجاتی ہےتو یہی چیز صحیح عقیدے اور ایمانِ کامل پر حملہ کرتی ہے۔یہی وہ چیز ہےجس سے انسانی وسماجی قوانین محروم ہیں۔

اگر سماجی تعلقات کی بنیاد اس بنیادی عقیدے اور اصولوں پر قائم ہوجائے تو پورا سماج انفرادی واجتماعی طور پر ان اصولوں کا محافظ بن جائے۔ایسا نہیں کہ سماج کا ایک طبقہ تو ذمے دار ہواور دوسرا غیر ذمے دار؛ کیونکہ ہر کوئی ذمے دار ہے اور ہر کوئی جواب دہ ہے۔اور ہر ایک اپنی استطاعت کے مطابق ذمے داری ادا کرے گا۔اس طرح یہ ذمے داری پورے سماج پر عائد ہوتی ہے؛ کیونکہ سب لوگ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں،جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث میں اسے کشتی سے تشبیہ دی ہے۔فرمایا:

"مثل القائم على حدود الله والواقع فيها كمثل قوم استهموا على سفينة، فأصاب بعضهم أعلاها وبعضهم أسفلها، فكان الذين في أسفلها إذا استقوا من الماء مروا على من فوقهم، فقالوا لو أنا خرقنا في نصيبنا خرقا، فإن تركوهم وما أرادوا هلكوا وهلكوا جميعا، وإن أخذوا على أيديهم نجوا ونجوا جميعا". (بخاری)

''اللہ کی حدود پر قائم رہنے والوں اوران کی خلاف ورزی کرنے والوں کی مثال ایسے لوگوں کی سی ہے جنھوں نے ایک کشتی کے سلسلے میں قرعہ ڈالا،جس کے نتیجے میں بعض لوگ کشتی کے اوپر والے حصے میں اور بعض لوگ کشتی کے نیچے والے حصے میں آگئے۔پس جو لوگ نیچے والے تھے،انھیں پانی لینے کے لیے اوپر والوں کے پاس سے گذرنا پڑتا۔انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ ہم اپنے ہی حصہ میں ایک سوراخ کرلیں تاکہ اوپر والوں کو ہم کوئی تکلیف نہ دیں۔اب اگر اوپر والے نیچے والوں کو من مانی کرنے دیں گے تو سب کے سب ہلاک ہوجائیں گے اور اگر اوپر والے نیچے والوں کا ہاتھ پکڑ لیں (اور انھیں ایسا نہیں کرنے دیں) تو یہ خود بھی بچ جائیں گے اور باقی لوگ بھی۔''

اللہ کا ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً (الانفال:25)

''اور بچواس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انھی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنھوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو۔''

آیت کریمہ اور حدیث نبوی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سماجی ذمے داری صرف چند لوگوں پر نہیں بلکہ سب پر عائد ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ ذمے داری ایک اجتماعی ذمے داری ہے؛ کیونکہ کشتی ایک ہے، اگر وہ ڈوبی تو سب کو لے ڈوبے گی اور اگر بچ گئی تو سب کا بیڑہ پار ہے۔

وضعی قوانین وضوابط جماعت واجتماعیت اور اس کی ذمے داری کا احساس نہیں پیدا کرسکتے، یہ احساس وشعور تو صرف دلوں میں عقیدے کی طاقت اور یقین کی روشنی سے ہی پیدا ہوتا اور پروان چڑھتا ہے۔''

(الوحی والانسان:215)

فسادفی الارض سے نہ روکنے کے برے نتائج

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ

''جولوگ منکرِ حق ہیں وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔ اگر تم یہ نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔''

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ''اس فقرے کا تعلق اگر قریب ترین فقرے سے مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح کفار ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں اگر تم اہل ایمان اسی طرح آپس میں ایک دوسرے کی حمایت نہ کروتو زمین میں فتنہ اور فسادِ عظیم برپا ہوگا۔ اور اگر اس کا تعلق اُن تمام ہدایات سے مانا جائے جو آیت ۷۲ سے یہاں تک دی گئیں ہیں تو اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر دارالاسلام کے مسلمان ایک دوسرے کے ولی نہ بنیں، اور اگر ہجرت کرکے دارالاسلام میں نہ آنے والے اور دارالکفر میں مقیم رہنے والے مسلمانوں کو اہل دارالاسلام اپنی سیاسی ولایت سے خارج نہ سمجھیں، اور اگر باہر کے مظلوم مسلمانوں کے

مدد مانگنے پر ان کی مدد نہ کی جائے، اور اگر اس کے ساتھ ساتھ اِس قاعدے کی پابندی بھی نہ کی جائے کہ جس قوم سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو اس کے خلاف مدد مانگنے والے مسلمانوں کی مدد نہ کی جائے گی، اور اگر مسلمان کافروں سے موالات کا تعلق ختم نہ کریں، تو زمین میں فتنہ اور فسادِ عظیم برپا ہوگا۔'' (تفہیم القرآن ج ۲ ص: ۱۶۴)

اجتماعی فتنے کی سنگینی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

(وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً) (الآنفال:25)

''اور بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انھی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنھوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو۔''

''اس سے مراد وہ اجتماعی فتنے ہیں جو وبائے عام کی طرح ایسی شامت لاتے ہیں جس میں صرف گناہ کرنے والے ہی گرفتار نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ بھی مارے جاتے ہیں جو گناہ گار سوسائٹی میں رہنا گوارا کرتے رہے ہوں۔ مثال کے طور پر اس کو یوں سمجھیے کہ جب تک کسی شہر میں گندگیاں کہیں کہیں انفرادی طور پر چند مقامات پر رہتی ہیں، ان کا اثر محدود رہتا ہے اور ان سے وہ مخصوص افراد ہی متاثر ہوتے ہیں جنھوں نے اپنے جسم اور اپنے گھر کو گندگی سے آلودہ کر رکھا ہو۔ لیکن جب وہاں گندگی عام ہو جاتی ہے اور کوئی گروہ بھی سارے شہر میں ایسا نہیں ہوتا جو اس خرابی کو روکنے اور صفائی کا انتظام کرنے کی سعی کرے تو پھر ہوا اور زمین اور پانی ہر چیز میں سمّیت پھیل جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں جو وبا آتی ہے اس کی لپیٹ میں گندگی پھیلانے والے اور اور گندہ رہنے والے اور گندہ ماحول میں زندگی بسر کرنے والے سب ہی آجاتے ہیں۔ اسی طرح اخلاقی نجاستوں کا حال بھی ہے کہ اگر وہ انفرادی طور پر بعض افراد میں موجود رہیں اور صالح سوسائٹی کے رعب سے دبی رہیں تو ان کے نقصانات محدود رہتے ہیں۔ لیکن جب سوسائٹی کا اجتماعی ضمیر کمزور ہو جاتا ہے، جب اخلاقی برائیوں کو دبا کر رکھنے کی طاقت اس میں نہیں رہتی، جب اس کے درمیان برے اور بے حیا اور بد اخلاق لوگ اپنے نفس کی گندگیوں کو علانیہ

اچھالنے اور پھیلانے لگتے ہیں اور جب اچھے لوگ بےعملی اختیار کر کے اپنی انفرادی اچھائی پر قانع اور اجتماعی برائیوں پر ساکت وصامت ہوجاتے ہیں تو مجموعی طور پر پوری سوسائٹی کی شامت آجاتی ہے اور وہ فتنہ عام برپا ہوتا ہے جسے میں چنے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔'' (تفہیم القرآن ج ۲ ص: ۱۳۸)

سورہ اعراف آیات ۱۶۴ تا ۱۶۵ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْماً اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَاباً شَدِيداً قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۔ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ (الأعراف:164۔165)

''اور انھیں یہ بھی یاد دلاؤ کہ جب ان میں سے ایک گروہ نے دوسرے گروہ سے کہا تھا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنھیں اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت سزا دینے والا ہے، تو انھوں نے جواب دیا تھا کہ ہم یہ سب کچھ تمھارے رب کے حضور اپنی معذرت پیش کرنے کے لیے کرتے ہیں اور اس امید پر کرتے ہیں کہ شاید یہ لوگ اس کی نافرمانی سے پرہیز کرنے لگیں۔ آخر کار جب وہ ان ہدایات کو بالکل ہی فراموش کر گئے جو انھیں یاد کروائی گئی تھیں تو ہم نے ان لوگوں کو بچالیا جو برائی سے روکتے تھے اور باقی سب لوگوں کو جو ظالم تھے ان کی نافرمانیوں پر سخت عذاب میں پکڑ لیا۔''

''اس بیان سے معلوم ہوا کہ اس بستی میں تین قسم لے لوگ موجود تھے۔ ایک وہ جو دھڑلّے سے احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ دوسرے وہ جو خود تو خلاف ورزی نہیں کرتے تھے مگر اس خلاف ورزی کو خاموشی کے ساتھ بیٹھے دیکھ رہے تھے اور ناصحون سے کہتے تھے کہ ان کم بختوں کو نصیحت کرنے سے کیا حاصل ہے۔ تیسرے وہ جن کی غیرتِ ایمانی حدود اللہ کی اس کھلم کھلا بےحرمتی کو برداشت نہ کر سکتی تھی اور وہ اس خیال سے نیکی کا حکم کرنے اور بدی سے روکنے میں سرگرم تھے کہ شاید وہ مجرم لوگ ان کی نصیحت سے راہِ راست پر آجائیں اور اگر وہ راہِ راست نہ اختیار کریں تب بھی ہم اپنی حد تک تو اپنا فرض ادا کر کے خدا کے سامنے اپنی برائت کا ثبوت پیش کر ہی دیں۔ اِس صورت حال

میں جب اس بستی پر اللہ کا عذاب آیا تو قرآن مجید کہتا ہے کہ اِن تینوں گروہوں میں سے صرف تیسرا گروہ ہی اس سے بچایا گیا کیونکہ اسی نے خدا کے حضور اپنی معذرت پیش کرنے کی فکر کی تھی اور وہی تھا جس نے اپنی برائت کا ثبوت فراہم کر رکھا تھا۔ باقی دونوں گروہوں کا شمار ظالموں میں ہوا اور وہ اپنے جرم کی حد تک مبتلائے عذاب ہوئے۔''
(تفہیم القرآن ج ۲ ص:۱۹)

آخری بات

اصلاح کا کام کرنے والوں اور فساد پھیلانے والوں کا راستہ الگ الگ ہے، زمین کی اصلاح کے بعد زمین میں فساد پھیلانا سنگین جرم، گھناؤنا عمل اور تباہ کن راستہ ہے۔ فساد فی الارض سے روکنا سماجی ذمے داری ہے۔ اگر مفسدوں کا ہاتھ نہیں پکڑا گیا تو پورا سماج فساد کی آگ میں جھلس کر رہ جائے گا اور اس کی زد میں ہر خاص و عام آئے گا۔

❖ ❖ ❖

مراجع:

۱: قرآن مجید

۲: بخاری ومسلم

۳: لسان العرب، مؤلف: ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم (ابن منظور انصاری مصری)، ناشر: دار صادر، بیروت۔

۴: مفردات الفاظ القرآن: راغب اصفہانی

۵: التحریر والتنویر: محمد الطاہر بن عاشور

۶: القول المفید علی کتاب التوحید، محمد بن صالح بن محمد العثیمین، ناشر: دار ابن الجوزی، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، الطبعۃ الثانیۃ محرم 1424 ہجری

۷: تفہیم القرآن: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

۸: شرح (مسائل الجاہلیۃ لمحمد بن عبدالوہاب): صالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان، ناشر: دارالعاصمۃ للنشر والتوزیع، ریاض

۹: الوحی والانسان، مؤلف: محمد السید الجلیند، الناشر: دار قباء للطباعۃ والنشر والتوزیع (قاہرہ)

۱۰: شریعۃ الاسلام فی الجہاد والعلاقات الدولیۃ، مؤلف: مولانا سید ابوالاعلی مودودی، ترجمہ: ڈاکٹر سمیر عبدالحمید ابراہیم۔

۱۱: الکشاف، ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔لبنان

قُرْآناً عَرَبِیّاً کا ترجمہ

زریاب احمد فلاحی

کلام اللہ میں قرآن کی صفت کے طور پر عَرَبِیّاً کا استعمال چھ مقامات پر ہوا ہے۔اس کے ترجمہ کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ اردو کے چند مترجمین ومفسرین کو چھوڑ کر بیشتر نے 'عربی زبان کا قرآن'، 'قرآن عربی' اور 'عربی قرآن' ترجمہ کیا ہے جس سے ماہرین لغات کی تصریحات، عربوں کی تہذیبی روایات، احادیث کے بیانات اور خود قرآنی آیات ابا کرتی ہیں۔ یہ ترجمہ اس پہلو سے بھی حقیقت سے دور ہے کہ ایسی صورت میں قرآن کے عمومی خطاب کی نفی ہوجاتی ہے کیوں کہ 'عربی زبان کا قرآن' ترجمہ کرنے سے اس کا دائرہ خطاب سمٹ کر صرف اہل عرب تک محدود رہ جاتا ہے حالاں کہ اس کا خطاب سارے انسانوں بلکہ سارے جہانوں سے ہے۔

قرآن کریم کی آفاقیت:

قرآن رب العالمین کی طرف سے ذکر للعالمین ہے۔ لہذا اس کا پیغام کسی خاص علاقہ، قوم، نسل اور زمانہ تک محدود نہیں ہے۔ارشاد ربانی ہے:و ما تسالهم عليه من اجر ان هو الا ذكر للعالمين۔ یوسف:104، ان هو الا ذكر للعالمين ص:87، و انزلنا اليك الذكر لتبيين للناس ما نزل اليهم و لعلهم يتفكرون ۔النحل:45، ان هو الا ذكر وقرآن مبين لينذر من كان حيا۔ یوسف:69

قرآن مجید میں یا ایھا الناس کے خطاب سے بھی اسی عموم کی ترجمانی ہوتی ہے۔

لفظ عربی کی لغوی تحقیق وتعریف:

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

و العربی المفصح:فصیح، وضاحت سے بیان کرنے والا۔

والاعراب البیان اعراب کسی بات کو کھول دینا، واضح کرنا۔

یقال: اعرب عن نفسہ۔اس نے اپنی بات کو وضاحت سے بیان کر دیا۔

وفی الحدیث: الثیب تعرب عن نفسها ای تبین، یعنی شادی شدہ اپنے دل کی بات صاف صاف بتائے گی۔

و اعراب الکلام ایضاح فصاحته، کلام کی فصاحت کو بیان کرنا، واضح کرنا۔

۔۔۔ و العربی الفصیح البین من الکلام، فصیح وواضح کلام۔

قال: قرآناً عربیاً ۔ یوسف 2، فصیح قرآن

و قوله: بلسان عربی مبین ۔الشعراء 195، فصیح واضح زبان

و قوله: حکما عربیاً ۔فصلت 13، فصیح کتاب۔

و ما بالدار عریب ای احد یعرب عن نفسه، گھر پر کوئی نہیں جو اپنی آپ بیتی کھول کر بیان کرے۔

و امرءۃ عروبۃ بحالها عن عفتها و محبۃ زوجها، و جمعها عُرُبٌ، وہ عورت جو اپنی عفت و پاکدامنی کے احوال اور شوہر سے اپنی محبت کا کھل کر اظہار کرنے والی ہو۔

عربا اترابا ۔الواقعہ 37، فصیح، حسین بیان، خوش گفتار ہم عمر۔

و عربت علیه اذا رددت من حیث الاعراب ۔وفی الحدیث "عربوا علی الامام"

و قوله حکما عربیاً ۔ الرعد 37، قیل معناہ مفصحا یحق الحق و یبطل الباطل ۔ایسی واضح و فصیح (کتاب) جو احقاق حق و ابطال باطل کا فریضہ انجام دے۔

اردو مترجمین و مفسرین کی جماعت میں عبد الماجد دریابادی نور اللہ مرقدہ اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ انہوں نے اس پہلو پر خاص توجہ دی اور عربی لغات و تفاسیر کے حوالے سے عربیا کا صحیح مفہوم اختیار کیا۔ اس سلسلے میں سورہ یوسف کی آیت نمبر 2 کا حاشیہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں انھوں نے پہلے قرآن کی خاص لغت المفردات لالفاظ القرآن للاصفہانی کے حوالے نقل کیے ہیں بعد ازاں تاج اللغہ کا درج ذیل اقتباس پیش کیا ہے: التعریب التبیین و الایضاح و یقال اعرب عنه لسانه و عرب ای ابان و افصح ۔خود عرب کا نام اس لیے پڑا کہ وہ زبان فصیح کے مالک تھے۔

"و اختلف فی سبب تسمیه العرب فقیل لاعراب لسانهم ای ایضاحه و بیانه لانه

قُرْآناً عَرَبِيّاً کا ترجمہ

اشرف الالسنہ و اوضحھا و اعربھا و قد مال الیہ جماعۃ و رجوہ من وجوہ۔

آگے چل کر سورہ النحل کی آیت 103: و لقد نعلم أنھم یقولون انما یعلمہ بشر، لسان الذی یلحدون إلیہ اعجمی و ھذا لسان عربی مبین کے تحت اعجمی کی تفسیر میں تفسیر کبیر اور المفردات کے درج ذیل اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے بات کی بھرپور وضاحت ہو جاتی ہے۔

'اعجمی وہ ہے جو صاف گفتگو اور اظہار مافی الضمیر (فصاحت) پر قادر نہ ہو، خواہ نسلاً عرب ہی ہو۔ قال ابو الفتح الموصلی وضع فی کلام العرب للابھام والاخفاء و ضد البیان و الایضاح (کبیر)، قال الفراء واحمد بن یحیی الاعجم الذی فی لسانہ عجمہ و ان کان من العرب (کبیر) و قال ابو علی الفارسی، الاعجم الذی لا یفصح سواء کان من العرب او من العجم (کبیر)، الاعجمی من فی لسانہ عجمہ عربیا کان او غیر عربی (راغب)۔

موقع کی مناسبت سے کچھ مزید تشریحات پیش ہیں۔

العجمہ ع پر ضمہ کے ساتھ (خلاف الابانہ، والاعجام الابہام، عجمہ کھول دینے و واضح کرنے کی ضد ہے، گویا اس کے معنی ابہام و اخفاء کے ہیں۔ اسی لیے اعجام کا مفہوم ابہام ہوتا ہے۔ اعجمت الکلام ضد اعربت۔

و استعجمت الدار: گھر سونا سونا ہو جائے اور وہاں کوئی جواب میں وضاحت دینے والا نہ رہ جائے، اسی بنا پر کسی عرب نے کنایہ کے طور پر آباد شہروں کے بارے میں کہا ہے: میں تو گویا (بولنے والے / سب کچھ کھل کر بیان کر دینے والے) شہروں سے نکلا۔

چوپایہ کو عجماء کہتے ہیں کیوں کہ انسان ناطق کی طرح الفاظ کے پیکر میں وہ اظہار و ایضاح پر قادر نہیں ہوتے ہیں۔ دن کی نماز کو عجماء کہتے ہیں اس لیے کہ ان میں صاف صاف کھل کر (قرآت بالجہر) نہیں ہوتی۔

عجمہ (ع پر فتحہ کے ساتھ) کھجور کی گٹھلی، اس کی وجہِ تسمیہ یا تو یہ ہے کہ وہ گودے کے اندر مخفی ہوتی ہے یا اس لیے کہ کھاتے وقت اسے بھی منہ میں ڈال لیا جاتا ہے اور وہ منہ میں مخفی ہوتی ہے۔ باب معجم، بند دروازہ کو کہتے ہیں۔

قرآن اور لفظ 'مبین' کا استعمال:

عربی اور اعجمی کے مذکورہ مفہوم کے سمجھنے میں لفظ 'مبین' کے قرآنی استعمالات سے بڑی مدد ملتی ہے۔ مبین

کے معنی ہیں واضح، صریح، فصیح، صاف صاف لسان العرب میں ہے: و بان الشیء بیانا: اتضح، فهو بین، و کذلك ابان الشیء فهو مبین، وقالوا بان الشیء و استبان و تبین و ابان و بین بمعنی واحد۔ والبیان الفصاحة واللسان، وکلام بین فصیح۔ و البیان الإفصاح مع ذکاء۔ و البین من الرجل: الفصیح و فلان أبین من فلان أی أفصح منه و أوضح کلاما، قال البیان اظهار المقصود بأبلغ لفظ، وهو الفهم و ذکاء القلب مع اللسان، و أصله الکشف و الظهور۔

اس اقتباس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عربی و مبین میں بڑی یکسانیت ہے اور دونوں ایک طرح سے ہم معنی ہیں۔ یہ نطق و زبان دانی کا منتہائے کمال ہیں۔ کلام و مباحثے کی گوناں گوں صلاحیتوں کا مظہر پر جمال ہیں۔ نعمت الٰہی کا کرشمہ لازوال ہیں۔ گویا معراج صفت گویائی بے مثال ہیں۔ ایک ذراسی بوند سے پیدا حضرت انساں کا یہ وہ شاہکار ہیں جس پر خود اس کے خالق کو حیرت ہو رہی ہے۔

خلق الانسان من نطفة فاذا هو خصیم مبین۔ نحل 4

اور خود انسان شدید استعجاب سے دوچار ہے۔

أولم یر الانسان أنا خلقناه من نطفة فاذا هو خصیم مبین۔ یس 77

یہی صفات جملہ انبیاء کرام ورسل عظام کا مقصود بعثت و انزال ہیں۔ دیکھیے ارشاد باری ہے:

فهل علی الرسل الا البلاغ المبین۔ نحل 35

و ما علی الرسول الا البلاغ المبین۔ نور 54، عنکبوت 18

و قل یا ایها الناس انما انا لکم نذیر مبین۔ حج 49، عنکبوت 50

ارشاد ربانی کے بعد پیغمبروں کے اقوال بھی ملاحظہ ہوں۔ واضح الفاظ میں کلام الٰہی کی تبلیغ ہی ان کی ذمہ داریوں کی انتہا ہے۔

و ما علینا الا البلاغ المبین۔ یس 17

ان انا إلا نذیر مبین۔ شعراء 115

ولقد أرسلنا نوحا الی قومه انی لکم نذیر مبین۔ ہود 25

قُرْآناً عَرَبِيّاً کا ترجمہ

یہ فصاحت ووضاحت ایسی مہتم بالشان صفت ہے کہ مجمع عام میں پیغمبر وقت کی تکذیب کی سند گردان دی جاتی ہے۔ ذرا دیکھیے فرعون نے اپنی قوم کے سامنے انکار کی دلیل میں کیا پیش کیا: **وَلَا يَكَادُ يُبِينُ** (سورۃ الزخرف :52)۔خود حضرت موسیٰ کو اس کمی کا احساس ہے لہذا بھائی کی فصاحت کی پشت پناہی کی دعا کرتے ہیں: **هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا** (سورۃ القصص:34)

انبیاء ورسل کے لیے جہاں نذیر مبین کی حیثیت ٹھیرائی گئی اور انھیں البلاغ المبین کا فریضہ تفویض ہوا وہیں ان پر نازل ہونے والے پیغام الٰہی نور، آیات بینات، کتاب مبین، الحق المبین کی صفت سے متصف ہیں۔خود قرآن کے لیے یہ صفت چھ سے زائد بار مستعمل ہے۔

الر تلك ايت الكتاب و قران مبين ۔حجر 1

طس تلك ايت القرآن و كتاب مبين۔نمل 1

تلك ايت الكتاب المبين۔شعراء 20

تلك ايت الكتاب المبين۔قصص 2

ان هو الا ذكر و قران مبين۔یس 69

و الكتاب المبين، انا جعلناه قرانا عربياً ۔زخرف 20

حم و الكتاب المبين۔دخان 2

و قد جاء كم من الله نور و كتاب مبين۔مائدہ 15

گویا جملہ انبیاء بقول قرآن فصیح البیان ہیں اور جملہ کتب سماویہ فصیح اللسان ہیں اور ان کی تاثیر کا یہ عالم رہا ہے کہ مخالفین صریح جادو، صریح جادو پکار اٹھتے۔

و قالوا ان هذا إلا سحر مبين۔صافات15

قال الذين كفروا للحق لما جاءهم هذا سحر مبين۔احقاف 7

عرب معاشرہ اور فصاحت وبیان:

عربوں کی کل قومی زندگی کا نچوڑ جنگ وغارت گری تھا۔یہی ان کی معاش کا سب سے بڑا بلکہ تنہا ذریعہ تھا۔ لوٹ کا مال غنیم ہی رفتہ رفتہ عربی قوم، عربی زبان، عربی تاریخ کا سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ

نمایاں اور سب سے زیادہ وسیع الاثر لفظ بن گیا (شبلی)۔ مگر ان حملوں وجنگوں کے شعلے بھڑکانے میں عربوں کی تہذیبی روایات میں زور بیان وقدرتِ کلام کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ ان کے شعراء وخطباء کی شعلہ بیانی ہی سے ان کی عزت وناموس معنون ہوا کرتی تھی۔ اس لیے ان کے ظہور پر تو پھولے نہ سماتے مگر بیٹی کی پیدائش سے ان کا دل بیٹھنے لگتا۔

و یجعلون للہ البنات سبحنہ و لھم ما یشتھون. واذا بشر احدھم بالأنثی ظل وجھہ مسودۃ و ھو کظیم. یتواری من القوم من سوء ما بشر بہ، أ یمسکہ علی ھون أم یدسہ فی التراب، ألا ساء ما یحکمون۔ نحل 59-57 ’اور وہ لوگ اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھہرا رہے ہیں (حالانکہ) وہ ان کے جھوٹے دعووں سے بالکل پاک ہے اور اپنے لیے وہ (بیٹے) ٹھہرا رہے ہیں جس کی طرف ان کا من خود اپنے آپ ہی کھینچا جاتا ہے۔ اور جب ان میں سے کسی کو اس کی پیدا ہونے والی بیٹی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے اور وہ گھٹا گھٹا رہنے لگتا ہے / اس کی سانس اٹکنے لگتی ہے۔ اور جس (بیٹی کے پیدا ہونے) کی خوش خبری سنائی گئی ہے اس کی برائی کا سامنا نہ کر پانے کی وجہ سے خود قوم کے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اپمان سہتے ہوئے اسے (بیٹی کو) زندہ رکھ چھوڑے یا اس کو مٹی میں زبردستی ٹھونس (کر مار) ڈالے، سن لو، بڑا برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں‘

واذا بشر احدھم بما ضرب للرحمن مثلاً ظل وجھہ مسودۃ وھو کظیم۔ أومن ینشأ فی الحلیۃ وھو فی الخصام غیر مبین۔ زخرف 20-19

حالانکہ جب ان میں سے کسی کو اس کی خوش خبری سنائی جاتی ہے جس کو وہ اللہ سے جوڑ کر بیان کرتے ہیں تو اس کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے اور وہ گھٹا گھٹا رہنے لگتا ہے کہ کیا (وہ پیدا ہوئی ہے) جو زیوروں میں پالی جاتی ہے اور بحث ومباحثہ میں وہ کبھی فصیح البیان نہیں رہی ہے۔

یہاں **غیر مبین** کی تعبیر خصوصی توجہ کی طالب ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ قرآن نے عربوں کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہو اور ان کے سماجی تانے بانے کی اصل تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق کی روایت میں قریش ’اعرب الالسنۃ‘ کے مقام پر فائز تھے۔ یعنی سرزمین عرب میں قریش زبان کے معاملے میں سب سے زیادہ فصیح وواضح البیان تھے۔

وفی حدیث السقیفة: أعربهم أحسابا أی أبینهم و أوضحهم. و یقال: أعرب عما فی ضمیرك أی ابن. و من هذا یقال للرجل الذی أفصح بالکلام: أعرب (لسان العرب)

قران مبین، کتاب مبین اور قرآناً عربیاً جس ذات مبارکہ پر نازل ہوا اس کو یہ وصف کامل عطا ہوا تھا۔ سید الانبیاء نے تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا: أنا أفصح العرب: میں فصیح ترین عرب ہوں۔ بعثت بجوامع الکلم: میں کلمات جامعہ دے کر بھیجا گیا ہوں۔ أنا أعربکم، أنا من قریش و لسانی لسان بنی سعد بن بکر۔ میں تم میں فصیح ترین ہوں، میں قریشی ہوں اور میری زبان بنوسعد کی زبان ہے۔

ان تصریحات کے بعد قرآناً عربیاً والی آیتوں کے صحیح تراجم پر نظر ڈالتے ہیں:

انا أنزلناه قرآناً عربياً لعلكم تعقلون۔ یوسف 2

بیشک ہم نے اتارا ہے قرآن فصیح تاکہ تم (اسے) سمجھو۔ تفسیر ماجدی۔

ہم نے اسے وضاحت و فصاحت سے بیان کرنے والا قرآن (یعنی) عام اور خاص سب کے بکثرت پڑھنے کے لیے، اتارا ہے تاکہ تم لوگ عقل سے کام لو۔ حسن رضوی

و كذلك أنزلناه قرآناً عربياً۔ طہ 113

اور اس طرح ہم نے اس قرآن کو نہایت فصیح و بلیغ (یعنی) بات کو بالکل ٹھیک ٹھیک مناسب ترین اور حسین الفاظ، معانی اور پیرائے میں بالکل واضح بنا کر اتارا ہے۔ حسن رضوی۔

اور اسی طرح اسے (قرآن) واضح کر کے نازل کیا۔ تفسیر ماجدی۔

قرآناً عربياً غير ذي عوج لعلكم تعقلون۔ الزمر 28

قرآن واضح جس میں کوئی کجی نہیں تاکہ لوگ ڈرتے رہیں۔ تفسیر ماجدی۔ حاشیہ میں درج ہے 'عربیاً' یعنی فصیح و بلیغ واضح، و المراد أنه أعجز الفصحاء و البلغاء عن معارفه (کبیر)

واضح قرآن، جس میں کوئی کجی نہیں۔ عبدالسلام

كتاب فصلت اياته قرآناً عربياً لقوم يعلمون۔ فصلت 3

یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کر بیان کر دی گئی ہیں یعنی فصیح قرآن۔ تفسیر ماجدی

ایسی کتاب جس کی آیتیں الگ الگ کر کے خوب کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں، جو نہایت صاف واضح، فصیح

وبلیغ اور مناسب ترین الفاظ میں مطلب کو پوری طرح سمجھانے والا ہے۔حسن رضوی۔

و کذلك أوحینا إلیك قرانا عربیاً لتنذر أم القری و من حولھا۔الشوری 7

اور اسی طرح ہم نے مناسب ترین الفاظ و پیرائے میں یہ قرآن عربی آپ کی طرف وحی کیا ہے۔حسن رضوی۔

(یہاں مترجم خلط مبحث کا شکار ہے۔)

درج ذیل کچھ آیات میں لفظ عربی،لسان کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

بلسان عربی مبین۔الشعراء 195

وہ بھی صاف صاف،مناسب حال،فصیح وبلیغ (عربی) زبان میں۔حسن رضوی۔

یہ عربی مبین (فراخ،فصیح) زبان میں اتارا۔البرھان فی القرآن۔

و من قبله کتاب موسی اماما و رحمة و ھذا کتاب مصدق لسانا عربیا لینذر الذین ظلموا و بشری للمحسنین۔احقاف 12

حالانکہ اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت بن کر آچکی تھی،اور یہ قرآن اس کی (تصدیق کرتا ہے،وہ بھی نہایت فصیح وبلیغ ترین الفاظ و پیرایے میں۔حسن رضوی۔

و لقد نعلم أنھم یقولون انما یعلمه بشر، لسان الذی یلحدون إلیه اعجمی و ھذا لسان عربی مبین۔النحل 103

اور ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ انھیں تو ایک آدمی سکھلا جاتا ہے (حالانکہ) جس شخص کی جانب اس کی ناحق نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ کلام (تو فصیح عربی زبان میں ہے۔تفسیر ماجدی۔

(اس میں فصیح کے بعد عربی کے اضافے کی ضرورت نہیں ہے۔خود فاضل مترجم کو اس کا احساس ہے۔احقاف 12 کی تشریح میں رقم طراز ہیں:لساناً عربیاً اس میں اشارہ کلام مجید کی فصاحت و وضاحت بیان کی طرف بھی آ گیا،کلام عربی کے معنی کلام فصیح کے ہی ہیں۔أی فصیحا بینا و اضحا (ابن کثیر)۔اسی طرح سورہ رعد 37 'و کذلك أنزلناہ حکماً عربیاً' میں حکما عربیا کا ترجمہ 'صاف حکم' کرتے ہیں۔'اور اسی طرح ہم نے اس (کتاب) کو نازل کیا بطور ایک صاف حکم کے'۔تفسیر ماجدی۔

حالانکہ متعدد آیات کے ترجمہ وتفسیر میں وہ بھی عام ڈگر پر چل پڑے ہیں۔مثلاً شوری 7،زخرف 3

باقی صفحہ 41 پر

سورۃ العصر: ایک مطالعہ

ابوعدیم فلاحی

وَالْعَصْرِ ۝١

پہلی آیت میں صرف ایک لفظ ''العصر'' ہے جس کی قسم کھائی گئی ہے۔ ''عصر'' کے ایک معنی ہیں نچوڑنا جیسا کہ سورہ یوسف آیت ۳۶ میں آیا ہے إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا ''میں نے خواب دیکھا ہے کہ شراب نچوڑ رہا ہوں۔ ''عصر'' کے معنی گھلنے کے بھی ہوتے ہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا مطلب ایک برف بیچنے والے سے سمجھا جو آواز لگا رہا تھا: ''ارحموا من یذوب رأس مالہ'' اس شخص پر رحم کرو جس کا اصل سرمایہ گھلا جا رہا ہے''۔ ''عصر'' کے ایک معنی زمانہ کے بھی ہوتے ہیں اور ایک معنی دن کے آخری پہر یعنی زوال کے بعد اور غروب آفتاب کے درمیان کے بھی ہوتے ہیں۔ یہاں یہ تمام معنی مراد ہیں۔

انسان پیدائش کے بعد جوانی کو پہنچتا ہے پھر اس کی طاقت دھیرے دھیرے کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک دور آتا ہے جب اس کا حافظہ، احساس اور دیگر طاقتیں بھی جواب دے جاتی ہیں۔ انسان کی عمر جتنی بڑھتی جاتی ہے اتنی ہی زندگی کا دورانیہ کم ہوتا جاتا ہے۔ ہم میں سے کچھ لوگ یوم پیدائش Birthday منا کر خوشی کا کیک کاٹتے ہیں لیکن وہ ذرا بھی غور نہیں کرتے کہ

عمر جتنی بڑھتی ہے اور گھٹتی جاتی ہے　　　　سانس جو بھی آتا ہے لاش بن کے جاتا ہے

زمانے کے بغیر تو انسان کی زندگی کا تصور ہی نہیں ہے۔ وہ جس عہد میں سانس لیتا ہے مختلف پہلوؤں سے اپنی زندگی گزارتا ہے۔ یہی عہد تو زمانہ ہے۔ ہم کہتے بھی ہیں ''زمانہ آگے بڑھ رہا ہے''۔ یہ عہد نہایت تیزی

کے ساتھ گزر رہا ہے، آنے والا لمحہ کس تیزی کے ساتھ ماضی میں بدل جاتا ہے کہ سوچنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔ آخری پہر یعنی زوال کے بعد انسان کے پاس سوائے بڑھاپے کمزوری اور موت کے کون سا خیال باقی رہ جاتا ہے۔ پھر انسان کو موت ہر عمر میں آتی ہے بلکہ وہ ہر لمحہ مرتا ہے اسے سدا تیار رہنے کی ضرورت ہے فانی بدایونی نے کیا خوب کہا

زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا　　　　ہر نفس عمر گزشتہ کی ہے میت فانی

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾

''بے شک انسان نقصان میں ہے۔''

ہمارے ذہنوں میں جو معیارات بیٹھے ہوئے ہیں وہ کیا ہیں؟ کامیابی دولت سے ہے، کامیابی جائداد سے ہے، کامیابی کاروبار سے ہے، کامیابی شہرت سے ہے، کامیابی اقتدار سے ہے، یہ معیارات ہیں۔ جو جتنا دولت مند وہ اتنا کامیاب۔ جو جتنا مشہور وہ اتنا کامیاب۔ جو جتنا پاپولر وہ اتنا کامیاب۔ جو حکومت پر پہنچ گیا وہ کامیاب۔ جس کا بڑا کاروبار چمک گیا وہ کامیاب۔ جس نے بہت زیادہ جائداد بنالی وہ کامیاب۔ یہی ہے اصل میں ساری بس کی گانٹھ۔ جو تصور کامیابی کا ہوگا اسی کے مطابق بھاگ دوڑ ہوگی۔ اسی کے لیے جدو جہد ہوگی۔ اسی کے لیے توانائیاں صرف ہوں گی۔ اسی کے لیے دن رات کی محنت و مشقت ہوگی۔ اگر دولت سے کامیابی ہوتی تو قارون کامیاب ہوتا۔ اگر حکومت سے کامیابی ہوتی تو فرعون اور نمرود بہت کامیاب تھے۔ آج کے دور میں بل گیٹس، امبانی اور اڈانی کامیاب ہیں۔ ٹرمپ، بائیڈن اور مودی کامیاب ہیں۔ یقین جانیے کامیابی ان سے نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ فرمایا ہے اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جو کسی محفل میں جانا چاہیں تو انہیں اجازت نہ ملے جو اگر کہیں رشتہ کرنا چاہیں تو کوئی رشتہ کرنے کو تیار نہ ہو۔ سفارش کرنا چاہیں تو کوئی ان کی بات ہی نہ سنے۔ لیکن اللہ کے ہاں ان کا وہ مقام ہے کہ کہ بھولے سے بھی اگر کسی بات پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ ان کی قسم کی لاج رکھتا ہے۔ یہ ہے فرق جان لیجیے اچھی طرح سے۔ اس بات کا مان لینا آسان اس پر سبحان اللہ کہنا آسان۔ لیکن اس کے مطابق آپ کے اپنے ذہن کا بدل جانا مشکل، بہت مشکل۔ اس لیے کہ ہم متاثر ہوتے ہیں اپنے ماحول سے۔ کوئی بڑا محل ہے۔ دیکھ کے ایک مرتبہ جھرجھری آتی ہے۔ ۲۰ فٹ لمبی کار سناٹے کے ساتھ پاس سے گزر گئی۔ ایک دفعہ اعصاب کے اندر ارتعاش

(vibration) پیدا ہوتا ہے۔ محسوس ہوتا ہے بڑے نصیبوں والے لوگ ہیں۔ یہ بڑے خوش نصیب، بڑے کامیاب حالانکہ کچھ معلوم نہیں کہ یہی سب سے بڑی بدنصیبی ہے ان کی۔ ہوسکتا یہی سب سے بڑی ناکامی ہو۔ یادرکھو کامیابی ان چیزوں سے نہیں ہے۔ چمک دمک جو ہے۔ دنیا کی یہ ساری چمک جو تمہیں رجھا رہی ہے۔ جو تمہیں اپنے اندر گم کیے ہوئے ہے۔ دنیا کی محبت میں گم نہ ہو جاؤ۔ دنیا کی محبت تمہارے اوپر ڈیرہ نہ ڈال دے۔ دنیا سے مرعوب نہ ہو۔ دنیا دلوں کے اوپر مسلط نہ ہو جائے۔ لہذا تازہ کرتے رہا کرو۔

اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ۳

جس کے اندر چار چیزیں ایک ساتھ موجود ہوں گی وہی کامیاب ہے

۱۔ایمان ۲۔عمل صالح ۳۔حق کی وصیت ۴۔صبر کی تلقین

۱۔ ایمان

ایمان کیا ہے؟

ایمان لانا اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، اور قیامت کے دن پر اور اچھی و بری تقدیر پر بھی (صحیح مسلم حدیث نمبر ۹۳)

۲۔ عمل صالح (نیک عمل)

صرف زبان سے ایمان کا اقرار کافی نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں

زباں نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

عمل صالح سے مراد اللہ نے جو احکام دیے ہیں اس پر سختی سے عمل کرنا اور جن کاموں کے کرنے سے منع کیا ہے اس سے رک جانا ہے۔ حرام چیزوں کو تاویل کے ذریعے حلال اور حلال کو حرام ٹھہرانے کے چور دروازے نہ تلاش کیے جائیں۔

عمل صالح کی اقسام

عمل صالح دو حصوں پر مشتمل ہے:

حقوق اللہ حقوق العباد

حقوق اللہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

☆اللہ کے احکامات پر خود عمل کرنا ☆دوسرے بندوں تک پہنچانا

حقوق العباد

اللہ کے بندوں کی اپنی قوت اور وسعت کے مطابق مدد کرنا انہیں تکلیف نہ دینا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''مسلمان تو حقیقت میں وہ جس کے ہاتھ پیر سے کسی مسلمان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے'' بلکہ اسے اس کی حفاظت میں اٹھنا چاہیے (صحیح مسلم: ۱۶۲)

اللہ کے رسول ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے۔ عرض کیا گیا کون: یا رسول اللہ؟ فرمایا: ''وہ جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو'' (صحیح بخاری: ۶۰۱۶)

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ فرمایا: ''اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے'' (شعب الایمان)

حقوقِ اللہ اور حقوق العباد دونوں ایک دوسرے سے اس قدر مربوط ہیں کی ایک کو الگ کر دیا جائے تو عمل صالح کی وہ شکل ہی باقی نہیں رہتی جو اصل میں ہونی چاہیے۔

یہ واضح حقیقت ہے دل صاف کرو ورنہ ملنے کو نہیں کچھ بھی تسبیح کے دانے سے

اور جب عمل صالح نہیں ہوگا تو ایمان کا دعویٰ محض دعویٰ ہی رہے گا۔ اور دوسری طرف کتنا بھی اصلاح اور سماج کے لیے فلاح و بہبود کا کام کرتا رہے اگر اس کے اندر ایمان نہیں ہے تو اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکے گا۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ

تواصی میں شراکت کا مفہوم شامل ہے۔ یہ دوطرفہ عمل ہے یعنی کسی ایک کو حق کی وصیت کرنا نہیں ہے بلکہ باہم ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرنا ہے۔ ایمان کوئی جامد شئے نہیں ہے بلکہ گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ مثلاً مسجد سے اعلان ہوتا ہے حی علی الصلوٰۃ آؤ نماز کے لیے۔ اذان سن کر شیطان دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈال کر اسے مسجد سے دور رکھنا چاہتا ہے مگر ایک شخص اپنے نفس پر قابو پا کر مسجد میں جاتا ہے تو اس کا ایمان

بڑھ جاتا ہے۔ وہیں دوسرا شخص اپنے نفس کی بات مان کر مسجد نہیں جاتا اور نماز ادا نہیں کرتا تو اس کا ایمان گھٹتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو عمل صالح کے ساتھ یہ ذمہ داری بھی سونپی ہے کہ وہ بھلائی کے کاموں میں دوسروں کو بھی شامل کرے جو بھی مومن بھائی ہوں اگر کوئی اللہ کی نافرمانی کا کام کریں تو ان کو بتایا جائے کہ تم جو کر رہے ہو وہ غلط ہے اور حق یہ ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی کی جائداد ہڑپ کرنا چاہتا ہو تو اسے سمجھایا جائے کہ آپ جو کر رہے ہیں یہ انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے حق تو یہ ہے جس کا جو حصہ بھی فرض ہے اسے بے چون وچرا ادا کر دیا جائے۔

بنی اسرائیل کے کے تین گروہ تھے۔ ایک گمراہ تھا اس کے اندر بہت سی برائیاں موجود تھیں، دوسرا گروہ وہ تھا جو خود بھی نیک عمل کرتا تھا اور گمراہ لوگوں کی اصلاح کی کوششیں بھی کرتا تھا، جبکہ تیسرا گروہ وہ تھا جو خود تو نیک تھا لیکن پہلے گروہ کی اصلاح کی کوئی فکر نہ تھی، بلکہ دوسرے گروہ سے کہتا تھا کہ ان پر کیوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہو جو سمجھنے والے نہیں ہیں۔ دوسرے گروہ نے کہا کہ اللہ نے جو ذمہ داری ہم پر عائد کی ہے ہم تو بس وہ فریضہ ادا کر رہے ہیں تا کہ اللہ کے یہاں پکڑ سے بچ سکیں۔ نتیجہ وہی ہوا کہ دوسرے گروہ کو چھوڑ کر پہلا اور تیسرا گروہ عذاب کا شکار ہو گیا۔ (سورۃ الأعراف: ۱۶۳ تا ۱۶۶)

اپنی آنے والی نسلوں تک دین پہنچانا ہر مومن کی ذمہ داری ہے اس لیے وہ بھی ایسے ہی وصیت کرے جیسا کہ ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی۔

﴿وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُون﴾ (سورۃ البقرۃ ۱۳۳، ۱۳۴)

''اے میرے بیٹو! اللہ تبارک وتعالی نے تمہیں دین کے لیے چن لیا ہے۔ تمہیں موت نہ آئے مگر ایمان کی حالت میں''، تم میرے بعد اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنا۔''

یا لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا کیوں کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

صبر کے معنی صرف برداشت کرنے کے نہیں ہوتے بلکہ اس میں ثابت قدمی بھی شامل ہے تاکہ بندے کا تعلق اپنے رب سے مزید مضبوط ہو، وہ خدائی مشن کا شیدائی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ صبر اور نماز سے مدد لینے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ انسان کو زندگی میں غم واندوہ سے سابقہ پڑے گا، طرح طرح کی مشکلات آئیں گی، کبھی یکے بعد دیگرے پریشانیوں اور مصائب کا سلسلہ اتنا طویل ہوگا کہ قدم لڑکھڑانے لگیں گے۔ کلیجے منہ کو آنے لگیں گے، کبھی مرض لاحق ہوگا، کاروبار میں گھاٹا ہوگا، آسمانی بلائیں اور ناگہانی آفتیں جانی ومالی نقصان کا سبب بنیں گی۔ ایسے دگرگوں حالات میں ایک انسان اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گزارے ہر مصیبت اور غم پر صبر کرے، اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھے اور اللہ کی ذات سے یہ امید رکھے کہ ''آج ہے رات تو کل صبح یقیناً ہوگی'' اور تنہائی میں رب سے لو لگائے کہ اے رب العالمین بھلا تیرے سوا کون ہے جو ان تکالیف اور رنج سے نجات دے سکے۔ ایسے لوگوں کے لیے بشارت ہے، خوشخبری ہے۔

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (سورۃالبقرۃ:۱۵۵)

''ہم تمہیں خوف میں، بھوک میں، بیلنس، اولاد اور پیداوار میں نقص پیدا کر کے آزمائش میں ڈالتے رہیں گے اور جو صبر کا دامن تھامے رکھے اس کے لیے بشارت ہے۔''

ایک مومن کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ اللہ کے پیغام کو ان تک پہنچائے جن تک یہ پیغام نہ پہنچا ہو۔ اللہ کی دعوت کو لے کر جب کوئی نیک بندہ آٹھ کھڑا ہوتا ہے تو اس کے سامنے بڑی مشکلات کھڑی ہوتی ہیں، پریشانیاں آتی ہیں مصائب کو جھیلنا پڑتا ہے جسمانی اور ذہنی دونوں طرح کی تکالیف سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایسے حالات میں دو کام ہو سکتے ہیں یا تو مومن دعوت الی اللہ کے مشن کو چھوڑ دے یا صبر کرے۔ پہلی صورت میں اس کا ایمان معتبر نہیں ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ﴾ (سورۃالعنکبوت:۲)

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔''

ایک جگہ فرمایا گیا:

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُواْ الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْاْ مِن قَبْلِكُم مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاء وَالضَّرَّاء وَزُلْزِلُواْ حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللّهِ أَلا إِنَّ نَصْرَ اللّهِ قَرِيبٌ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۱۴)

''کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں داخلہ تمہیں یونہی مل جائے گا، حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے، جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ اُن پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے، یہاں تک کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔''

اس لیے اگر مومن رہنا ہے تو صبر کا دامن تھامنا ہی پڑے گا اس کے بغیر چارہ نہیں۔ چنانچہ جب ایسے حالات آئیں تو ایک مومنین کا فرض ہے وہ دوسرے مومن کو دلاسا دے، تسلی دے اور صبر کی برابر تلقین کرے تا کہ اس کا حوصلہ پست نہ ہو، اس کی ہمت بڑھے اور اس کے اندر لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا 'غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے'' کا یقین پیدا ہو، مایوسی کا شکار نہ ہو بلکہ یہ جذبہ اور عزم کارفرما رکھے۔

بلا سے کروٹ لیں اندھیرے، بلا سے پروا کرے نہ آندھی
مگر میرا فرض منصبی ہے چراغِ پیہم جلائے جانا
مجھے خبر ہے میں جانتا ہوں یہ دور ہے آگ کا سمندر
مگر غم عشق کا سفینہ اسی کی موجوں پہ ہے چلانا

❖❖❖

صفحہ 34 سے آگے

احقاف 12، فصلت 44، شعراء 195، نحل 103۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ عربیاً کا درست ترجمہ فصیح و واضح ہے مگر اکثریت نے عربی زبان کا قرآن اور 'قرآن عربی' کی تعبیر اختیار کی ہے۔ افسوس کہ برائے نام جن مترجمین ومفسرین نے درست ترجمہ اپنایا ہے وہ ہر جگہ اس کا یکساں پاس ولحاظ اور التزام نہ کر کے خود بھی عام شاہ راہ پر گامزن ہو گئے۔

❖❖❖

نوٹ: مضمون میں مترجمین اور مفسرین کے حوالے Islam360 App سے ماخوذ ہیں۔

رمضان کے بعد حکم الٰہی ''اتقوا اللہ'' کی پاسداری

ساجدہ ابواللیث فلاحی

ماہ مبارک اپنی بیش بہا رحمتوں و برکتوں کے ساتھ سایہ فگن ہوا۔ اہل ایمان کے دل خوشیوں سے لبریز ہو گئے، ہر سو خیر و برکت کا ماحول ظاہر ہونے لگا، گھروں سے لے کر بازاروں تک رونق ہی رونق تھی، اذکار و عبادات کی مجلسیں، قرآن فہمی کے کلاسز، انفاق فی سبیل اللہ کی مختلف شکلیں، مساجد میں پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ نماز تراویح کا پُر سوز منظر، غرض ہر طرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتوں و برکتوں کے مظاہر اور رعنائیاں ہی رعنائیاں بکھری نظر آتی رہیں۔ حسب توفیق ایز دی ہر ایک خیر و بھلائی کی جستجو اور حصول ثواب میں سرگرم رہا، اعمال صالحہ کی مختلف شکلیں اور ذرائع اختیار کیے جاتے رہے، نماز تہجد میں استغفار و دعاؤں کے ذریعے اپنے مولیٰ کو منانے اور خود کو بخشوانے کی فکر میں راتیں جاگ کر گزاری جاتی رہیں۔ الحمدللہ علی ذلک

اب جب کہ ماہ مقدس آخرت میں ملنے والے خصوصی انعام کی بشارت دیتے ہوئے گیارہ ماہ کے لیے رخصت ہو چکا ہے، آئیے ہم غور کریں کہ ہم روزوں کی فرضیت کے مقاصد کو کہاں تک حاصل کر سکے؟ اور ہماری زندگیوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُون (البقرۃ:۱۸۳)

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے، جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیے گئے تاکہ تمھارے اندر تقویٰ کی صفت پیدا ہو۔''

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کو ہر زمانے میں فرض کیا، لیکن کیوں؟ اپنے بندوں کے اندر تقویٰ کو پروان چڑھانے کے لیے۔ سوال یہ ہے کہ تقویٰ کس چیز کا نام ہے؟ لفظ تقویٰ 'وقایۃ' سے مشتق ہے، جس کے معنی بچاؤ اور حفاظت کرنے کے ہیں۔ جب بندہ مومن معصیت سے بچنے کا عزم و ارادہ کر لے اور گناہوں کو چھوڑ دینے پر مضبوطی سے جم جائے تو اسی عزم و مضبوطی کو تقوی کہتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے تقوی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

رمضان کے بعد حکم الٰہی ''اتقوا اللہ'' کی پاسداری

''انسان کسی ایسے راستہ پر چل رہا ہو جس کے دونوں جانب خاردار درخت ہیں اور راستہ بھی تنگ ہے، ایسے وقت میں آدمی اپنے کپڑے اور جسم کو کانٹے سے بچاتے ہوئے قدم آگے کو بڑھاتا ہے، اسی طرح دنیا کی زندگی میں ہر جانب معاصی اور شہوات ہیں، آدمی ان سے دامن بچاتا ہوا اعمال صالحہ پر عمل کرتے ہوئے آگے بڑھتا جائے، اسی کا نام تقوی کی زندگی ہے۔''

تقویٰ کا اصل مرکز دل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا **التقوی ھھنا**، البتہ دل کا تقویٰ اعمال وحرکات وسکنات پر اثر انداز ہوتا ہے اور انسان بداعمالیوں کے برے نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتے ہوئے محتاط زندگی گزارنے لگتا ہے۔ اس کی کیفیت ایسی ہی ہوتی جیسے کوئی آگ کے انگارے سے بچتا ہے۔

عموماً تقوی کے تین درجات بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ ادنیٰ ۲۔ متوسط ۳۔ اعلیٰ

ادنیٰ درجہ سے مراد کلمہ طیبہ کے ذریعہ دائرہ اسلام میں داخل ہوجانا ہے، جس کی بناء پر دائمی اور ابدی عذاب سے ان شاء اللہ نجات ممکن ہے۔

متوسط درجہ جس میں کلمہ طیبہ پر ایمان کے ساتھ فرائض وواجبات کی ادائیگی اور کبیرہ گناہوں سے بچنے کی کوشش ہو، اس قدر تقوی ہر مسلمان کے لئے لازم ہے۔

اعلیٰ درجہ تقویٰ کے اعلیٰ درجے میں فرائض وواجبات کے علاوہ مستحبات اور نوافل کا بھی اہتمام ہے، اسی طرح محرمات کے علاوہ مکروہات ومشتبہات سے اجتناب اور حتی الامکان صغائر سے بچنے کی کوشش شامل ہے۔

روزہ تقوی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ روزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت جاگزیں ہوتی ہے تو اس کے احکام کے اعلیٰ وارفع ہونے کا احساس بھی قوی تر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے نفس پر قابو پانے میں کامیاب رہتا ہے اور ایک متعین مخصوص وقت تک جائز اور حلال چیزوں کے استعمال کی جرأت نہیں کرتا جس کی بناء پر حرام اور ناجائز چیزوں سے پرہیز، نفرت اور دوری اس کی خصلت بن جاتی ہے۔ یہی

اخلاقی برتری تقویٰ کا مظہر ہے جو روزوں کا مطلوب ومقصود ہے، لیکن کبھی یہ کیفیت وقتی اور عارضی ہوا کرتی ہے اور بعد رمضان اس کے اثرات دھیرے دھیرے زائل ہونا شروع ہوجاتے ہیں جب کہ قرآن اپنے ماننے والوں کے اندر اسے ہر آن اور ہر لحہ دیکھنا چاہتا ہے، اسی لیے قرآن نے تقریباً ۱۵ مقامات پر تقوی کی طرف توجہ دلائی ہے، مثلاً لباس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

و لباس التقوىٰ ذالك خير (الاعراف:۲٦)

''اور تقویٰ کا لباس، یہ زیادہ بہتر ہے۔''

گو کہ لباس انسان کی ستر پوشی اور زینت کے لیے ضروری ہے، لیکن اوامر کی پاسداری اور نواہی سے اجتناب بھی اسی طرح لازم ہے جس طرح لباس جسم کے لیے۔

وَتَزَوَّدُواْ فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى (البقرۃ:۱۹۷)

''اور زادراہ لے لو، بیشک بہترین زادراہ تقویٰ ہے۔''

بہ موقع حج اپنا زادراہ ساتھ رکھو اور منہیات سے بچتے رہنا بھی تمھارا بہترین زادسفر ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ٦۹ مقامات پر ''اتقوا اللہ'' کا فرمان جاری کرکے ہمیں متنبہ کیا ہے اور متقیانہ زندگی اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے، چنانچہ فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (الحشر:۱۸)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اللہ یقینا تمہارے ان سب اعمال سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔''

اس آیت میں دو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تاکید کی گئی ہے، نیز آخرت کے لیے کیے جانے والے اعمال پر غور وخوض کرتے رہنے کی نصیحت اس انداز سے کی گئی کہ ہمارے جملہ اعمال سے اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہے جس میں یہ حقیقت بھی پوشیدہ ہے کہ ان کے انجام سے بھی یقیناً سابقہ پیش آنا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيداً (الاحزاب:۷۰)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی (سچی) باتیں کیا کرو۔''

ایک مومن کی گفتگو حق سچائی اور راستی پر مبنی ہونی چاہیے بلکہ اس کی شخصیت اس کے قول کے مصداق ہونی چاہیے۔ جھوٹ، دھوکہ، فریب، ایذا رسانی وغیرہ سے پاک ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ نے روزے کی حالت میں اسی بات کا پابند بنایا تھا، مثلاً حدیث مبارک میں آپ کا قول: جس نے روزہ رکھ کر جھوٹ اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا، اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے سے کوئی سروکار نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ (آل عمران: ۱۰۲)

''اہل ایمان کو تاکید ہے کہ اللہ سے اس طرح ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا گیا:

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن: ۱۶)

''پس اللہ سے ڈرو، جتنی کی تم استطاعت رکھتے ہو۔''

ڈرتے رہنے کی تنبیہ سے اس بات کی آگاہی ہوتی ہے کہ:

☆ اللہ تعالیٰ کی کچھ مقررہ حدود و قیود ہیں جن کی پابندی اہل ایمان کے لیے لازم ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہمہ وقت ہمیں دیکھ رہا ہے اور دلوں کے حال سے بھی واقف ہے، وہ دنیا میں بھی سزا دے سکتا ہے اور آخرت میں بھی۔

☆ اس دن اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔

یہ سارے پہلو ''حق تقاتہ'' کے مفہوم میں شامل ہیں، اس میں یہ بات بھی مضمر ہے کہ انسانوں سے ڈر اور خوف محسوس کر کے احکام شریعت سے پہلو تہی اختیار کرنا ایمان و اسلام کے منافی اور اللہ کے غضب کو دعوت دینے والا ہے، مسلمانوں کی زندگیوں میں بہت سے نشیب و فراز اور ناہموار راہیں ملیں گی، فتنے و آزمائشیں رونما ہوسکتی ہیں، اسلام دشمن عناصر کی فساد انگیزیاں سامنے آسکتی ہیں، خوف و طمع کی صورتحال بھی ہوسکتی ہے۔ اگر نعوذ باللہ ایسے مواقع پیش آئیں تو اپنے ایمان و اسلام کی حفاظت اور حق پر استقامت اختیار کرتے ہوئے اپنی جان، جان آفرین کے حوالہ کر دینا ''**ولا تموتن الا وانتم مسلمون**'' سے ثابت ہوتا ہے، اسی میں ہماری خیر و فلاح ہے اور اسی کا آیت میں حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح اپنے نفس کے حق کو واضح کرنے

رمضان کے بعد حکم الٰہی ''اتقوا اللہ'' کی پاسداری

کے ساتھ رشتہ داروں کے حقوق کی طرف متوجہ کیا گیا۔ فرمایا کہ:

وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً (النساء:۱)

''اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے بچو، بیشک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔''

ارحام میں محرم اور غیر محرم دونوں رشتے ہیں ان کو جوڑنا صلہ رحمی اور توڑنا قطع رحمی ہے۔اس سلسلے میں متعدد آیات و احادیث وارد ہوئی ہیں، گویا رمضان المبارک میں حقوق کی ادائیگی کی کوشش وہیں تک محدود نہ رہے، بلکہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ان کے حقوق کا پاس ولحاظ رکھا جائے، ان پر ظلم وستم اور ان کے حقوق کی پامالی سے بچا جائے، الفاظ وافعال سے ان کو اذیت نہ دی جائے، جذبات مجروح نہ کیے جائیں بلکہ محبت وصلہ رحمی کو فروغ دیا جائے۔

فَاتَّقُواْ اللّهَ وَأَصْلِحُواْ ذَاتَ بِيْنِكُمْ وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (الانفال:۱)

''پس تم لوگ اللہ سے ڈرو، اپنے آپس کے تعلقات درست کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم مومن ہو۔''

رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی میں مزید وسعت دیتے ہوئے مسلمانوں کی اجتماعی شیرازہ بندی کی گئی، کہ مال غنیمت کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے متعلق کوئی بدگمانی اور رنجش نہ ہو، اپنے دینی بھائی بہنوں کے خلاف بھی حسد کا جذبہ نہ رہے۔ فرمایا گیا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الحجرات:۱۰)

''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔''

اہل ایمان بھائی بھائی اور ہم خواتین دینی بہنیں ہیں۔ لازم ہے کہ جو اپنے لیے پسند کریں وہ دوسروں

کے لیے بھی پسند کریں، جو خود کے لیے ناپسند ہو وہ دوسروں کے لیے بھی ناپسند ہو۔اسی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک دوسرے سے حسد نہ کرو،خرید وفروخت میں دھوکہ نہ دو،ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو،ایک دوسرے سے منہ مت پھیرو،کسی کی بیع پر بیع نہ کرو اور اللہ کے بندوں! بھائی بھائی بن جاؤ۔مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے،وہ اس پر ظلم نہیں کرتا،نہ اسے بے یارومددگار چھوڑتا ہے،نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔'' (مسلم)

ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی آپسی الفت ومحبت اور ہمدردی ومواسات کا سبب بنے گی۔تب ہی لڑائی جھگڑے اختلاف وانتشار جو اخوت ایمانی کے منافی اور گناہ کبیرہ میں سے ہے،اس سے مسلمان محفوظ رہ سکیں گے،پھر بھی کبھی تنازع پیدا ہی ہو جائے تو انصاف کے ساتھ ان کے درمیان صلح کرانا واجب ہے، مزید یہ کہ اللہ کے تقویٰ کو اختیار کرتے ہوئے حقوق کی ادائیگی کی جاتی رہی تو یقیناً اللہ کی رحمت شاملِ حال ہوگی اور دنیا وآخرت کی بھلائی حاصل ہوگی۔اس کے برعکس معاملہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے والا ہوگا۔اس کی روشنی میں ہر مسلم کو اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لے لینا چاہیے کہ وہ اللہ کی رحمت سے دور تو نہیں ہو رہا؟

درج بالا دونوں آیتیں تقوی،اصلاح ذات البین اور اللہ رسول کی اطاعت کی بین دلیل ہے،جس کا التزام بعد رمضان بھی کیا جانا چاہیے،فرمایا گیا:

وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُواْ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (المائدۃ:۲)

''جو کام نیکی اور خداترسی کے ہیں،ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے ہیں،ان میں کسی سے تعاون نہ کرو،اللہ سے ڈرو،اس کی سزا بہت سخت ہے۔''

نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کا تعاون اور گناہ وسرکشی میں تعاون نہ کرنے کی ہدایت میں اللہ تعالیٰ کی سخت پکڑ کا خوف دلاتے ہوئے 'اتقوا اللہ' کی ترغیب دلائی گئی،جو ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے۔مفسرین کے مطابق ''البر'' سے مراد اللہ تعالیٰ کے اوامر ہیں جن پر مومن کا قلب وذہن مطمئن ہوتا ہے اور تقویٰ سے مراد وہ امور ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔اس کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

رمضان کے بعد حکم الٰہی ''اتقوا اللہ'' کی پاسداری

نعمان بن سمعان سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے بارے میں معلوم کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بر، حسن خلق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تمھیں خلش میں مبتلا کردے اور تم ناپسند کرو کہ لوگ اس سے آگاہ ہوں۔ (مسلم)

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ قرآن مجید میں ''اتقوا اللہ'' اور اس کے ہم معنی بکثرت الفاظ استعمال ہوئے ہیں، سب کا احاطہ یہاں ممکن نہیں، اس کے لیے بنظر غائر قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا مناسب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان پر استقامت اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

❖❖❖

صفحہ 91 کا بقیہ

استاد مرحوم کے علم وفن کے چشمہ صافی سے سیکڑوں شاگرد سیراب ہوئے اور اپنی علمی تشنگی مٹائی۔ وہ کیرلا کی حسین صبح تھی۔ جب ان کی کال نے مجھے نیند سے بیدار کیا تھا اس وقت وہ وطن واپسی کے لیے ماریشس ہوائی اڈے پہ تھے۔ انھوں نے مجھے اپنے طبی سفر کی مختصر روداد سنائی، وہاں کا کلچر، وہاں کی تہذیب کا تذکرہ کیا اور پھر طب یونانی سے متعلق ان لکچرس اور تعارف کا ذکر کیا جو وہاں کے ڈاکٹرس اور انٹلکچولس کے درمیان ہوئے۔

ان سے میری آخری ملاقات ۲۶ رفروری ۲۰۲۱ء کو لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ آپ نے کالج کے احوال پوچھے اور پھر دیر تک باتیں کرتے رہے۔ کیا خبر تھی کہ آپ بہت جلد اپنے مالک حقیقی سے جاملیں گے اور اپنے بیشمار متعلقین ومحبین کو سوگوار کر جائیں گے۔

سیکڑوں شاگردوں کے دلوں میں جو آپ نے اپنا گھر بنایا تھا رب ذوالجلال کی بے پایاں رحمتوں سے امید ہے اور دعا ہے کہ مولائے کریم انہیں ابدی اور شاندار گھر سے اور اپنی لازوال رحمتوں سے نوازے۔ آمین

❖❖❖

صفہ: عملی بھائی چارے کی ایک انوکھی مثال

محمد اقرار خاں فلاحی مدنی

جب مکہ میں اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے صحابۂ کرامؓ پر ظلم وستم حد سے زیادہ بڑھ گیا اور ان کا وہاں رہنا تقریباً مشکل ہو گیا، تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو ہجرت کا حکم دیا، پھر صحابۂ کرام سب کچھ چھوڑ کر چھپ چھپا کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے، پھر اللہ کے رسول ﷺ کو ہجرت کی اجازت ملی اور آپ ﷺ بھی حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ہجرت کے لیے نکل پڑے۔ ہجرت کا یہ واقعہ کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں تھا، بلکہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس میں امت مسلمہ کے لیے بہت سارے دروس اور فوائد ہیں۔ (یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر کبھی ان شاء اللہ تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔) جب اللہ کے رسول ﷺ اور صحابۂ کرام ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے سب سے بڑا چیلنج ان بے یار ومددگار مہاجرین کو سیٹ کرنا تھا؛ کیوں کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر کے آئے تھے، ان کے پاس سوائے تن کے کپڑے کے کچھ بھی نہیں تھا، اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے پہلے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارگی (مؤاخاۃ) کا رشتہ قائم کیا۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراحؓ اور طلحہؓ کے درمیان بھائی چارگی کا رشتہ کروایا۔ ابوجحیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سلمان اور ابوالدرداء کے درمیان بھائی کا رشتہ قائم کروایا (رواہ مسلم)۔ اس عمل (نظام مؤاخاۃ) نے جہاں ایک طرف کافی حد تک مہاجرین کی تکلیفوں اور پریشانیوں کو کم کیا، وہیں دوسری طرف ان کے درمیان آپسی محبت وانسیت، بھائی چارگی اور قربانی کا جذبہ پیدا کیا؛ کیوں کہ یہ مؤاخاۃ ایک طرح سے عملی تجربہ تھا ہر چیز میں شریک ہونے کا، خوشی اور غم میں، سوچ اور فکر میں، کھانے اور پینے میں اور رہنے سہنے میں۔ ایک عالم مؤاخاۃ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس مؤاخاۃ نے جاہلی عصبیت کا خاتمہ کر دیا اور وہ ساری اونچ، نیچ جو رنگ ونسل اور وطن کے معیار پر ہوتی تھی ختم ہوگئی۔ سوائے اسلام کے کوئی غیرت اور مروت نہیں رہی۔

اس واقعہ کے بعد انصار نے مہاجرین کے ساتھ ایثار ومحبت، دکھ درد میں شرکت اور دوسروں کے لیے قربانی کی وہ داستان رقم کی کہ شاید قیامت تک کبھی دوبارہ ایسی مثال نہ ملے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس غیر معمولی واقعہ کا قرآن کریم میں ذکر کیا ہے تا کہ قیامت تک امت مسلمہ ان کے اس جذبہ کو یاد کرتی رہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الحشر:۹)

اس قربانی کے جذبہ میں انصار اتنے آگے نکل گئے کہ عقل بشری بھی اس کا تصور کرنے سے قاصر ہے، انھوں نے اپنی زمین، اپنے گھر میں تو حصہ دیا ہی، یہاں تک کہ جن کے پاس دو بیویاں تھیں وہ اپنی ایک بیوی کو مہاجر بھائی کے لیے طلاق دینے کو تیار ہو گئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب عبدالرحمن بن عوفؓ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے اور سعد بن ربیع انصاریؓ کے درمیان بھائی کا رشتہ قائم کیا۔ سعد بن ربیعؓ مدینہ کے مالدار آدمی تھے، انھوں نے عبدالرحمن سے کہا: میں اپنا آدھا مال تم کو دیتا ہوں اور میرے پاس دو بیویاں ہیں، تم دیکھ لو جو تم کو اچھی لگے میں اس کو طلاق دے دیتا ہوں اور پھر تمہاری شادی کروا دیتا ہوں۔ یہ سن کر عبدالرحمن نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہارے اہل وعیال اور مال ودولت میں برکت عطا فرمائے۔ بس مجھے مارکیٹ کا راستہ بتا دو۔

اس بھائی چارگی کرانے کا مقصد مہاجرین سے غربت، فقر وفاقہ، اجنبیت اور اکیلا پن کا خاتمہ کرانا تھا، جو کسی حد تک کنٹرول میں آ گیا تھا؛ کیوں کہ یہ مہاجرین اپنے انصاری بھائی کے ساتھ کام کاج کرنے لگے تھے، کچھ کھیتوں میں اور کچھ بازاروں میں، جس سے ان مہاجرین کی بہت ساری پریشانیاں ختم ہونے لگی تھیں۔

لیکن شروع شروع میں جو لوگ ہجرت کر کے مدینہ آئے، ان کا مسئلہ کسی حد تک اس مؤاخاۃ کے ذریعہ حل ہو گیا تھا؛ لیکن مہاجرین کا مسلسل مدینہ کی طرف آنا اور ان کی تعداد میں مستقل اضافہ سے نئی مشکل پیدا ہو گئی تھی؛ کیوں کہ اب انصار نہیں بچے تھے جن سے بھائی کا رشتہ کروایا جاتا۔

اس لیے ان کے رہنے کے لیے ایک مشکل پیدا ہو گئی تھی، لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد نبوی کے

شمالی حصے میں بقیہ مہاجرین کے لیے ایک جگہ کا تعین کیا جس پر کھجور کے پتوں کا چھت بنایا گیا تا کہ سایہ دار ہو سکے، اسی کا نام صفہ پڑا اور جو لوگ اس میں رہتے تھے ان کو اہل صفہ کے نام سے جانا جانے لگا۔ امام بیہقی عثمان بن الیمان سے روایت کرتے ہیں کہ جب مہاجرین کی تعداد مدینہ میں زیادہ ہوگئی اور ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا تو اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد نبوی میں ان کو بٹھایا اور ان کا نام اصحاب صفہ رکھا۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ بیٹھتے تھے، انسیت اور اپنائیت کا اظہار کرتے تھے۔

صفہ کی تعریف:

لغوی اعتبار سے سایہ دار جگہ کو صفہ کہتے ہیں۔ اصطلاح میں مسجد نبوی کے پچھلے حصہ میں سایہ دار جگہ تھی جسے اللہ کے رسول ﷺ نے ان غریب اور مسکین مہاجروں کے لیے بنایا تھا جن کے پاس رہنے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اور نہ ہی مدینہ میں ان کا کوئی رشتہ دار تھا۔ اس کے بنانے میں کھجور کے درخت کے اجزا کا استعمال ہوا تھا، پائے کی جگہ کھجور کے تنا کا استعمال ہوا تھا اور چھت کھجور کے پتوں کا بنایا گیا تھا۔

صفہ اور اہل علم:

صفہ کا ذکر سبھی مؤرخین اور سیرت نگاروں نے کیا ہے، جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں کہ صفہ مسجد نبوی کے پچھلے حصہ میں ایک سایہ دار جگہ ہے جہاں غریب مہاجرین پناہ لیتے تھے اور اسی کی طرف ان کی نسبت کر کے ان کو اہل صفہ کہا گیا۔ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: صفہ مسجد نبوی کے پیچھے شمالی حصہ میں واقع ہے۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ صفہ مسجد نبوی کے پیچھے ایک جگہ کا نام ہے جو سایہ دار تھا، جہاں ایسے لوگ قیام کرتے تھے جن کا مدینہ میں کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اور نا ہی کوئی قریبی رشتہ دار۔ ابن سعد طبقات میں یزید بن عبداللہ بن قسیط سے روایت کرتے ہیں کہ اہل صفہ صحابۂ کرام میں سے کچھ لوگ ہیں جن کا مدینہ میں کوئی ٹھکانہ نہیں تھا جس کی وجہ سے وہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں مسجد کی اسی جگہ پر سوتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ صفہ مسجد نبوی کے شمالی حصہ میں واقع تھا۔

صفہ بنانے کا مقصد:

اصل مقصد صفہ بنانے کا جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے ان مہاجرین کے رہنے کا انتظام کرنا تھا جن کا مدینہ میں کوئی اہل وعیال اور رشتہ دار نہ تھا اور بے یار و مددگار تھے، اور اب انصار بھی نہیں بچے تھے جن سے ان کا

رشتہ مؤاخاۃ کروایا جاسکے؛ لیکن بعد میں یہ دار الضیافہ کے طور پر استعمال ہونے لگا۔

اھل الصفہ:

صفہ میں اکثر رہنے والے غریب مہاجرین تھے، جن کا مدینہ میں کوئی نہیں تھا۔ اور اس میں سب سے پہلے رہنے والے مکہ کے مہاجرین تھے؛ اسی لیے اس کو صفۃ المہاجرین بھی کہا جاتا ہے۔ واثلہ بن الاسقعؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صفۃ المہاجرین میں ایک مرتبہ آئے تو کسی نے پوچھا کہ قرآن میں سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''اللّٰهُ لاَ إِلَـٰهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ '' یعنی آیت الکرسی۔ اسی طرح جو وفود اسلام قبول کر کے آئے تھے وہ بھی صفۃ المہاجرین میں رہنے لگے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اہل صفہ اسلام کے مہمان ہیں، وہ کسی آدمی، کسی مال و دولت کی طرف نہیں گئے۔ بعض مصادر میں آتا ہے کہ بعض انصار بھی دنیا سے کنارہ کشی کر کے صفہ میں رہتے تھے، اس سے غریب مہاجرین کی دل جوئی اور تسلی بھی ہوجاتی تھی، حالاں کہ ان کے پاس مدینہ میں گھر تھا، انھیں صفہ میں رہنے کی ضرورت نہیں تھی، ان میں البراء بن مالک، ابوسعید خدری، حارثہ بن النعمان، حنظلہ ابوعامر (غسیل الملائکۃ) اور ان کے علاوہ بہت سے انصاری ہیں۔

کیا عورتوں کے لیے بھی صفہ تھا؟

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کے لیے خاص صفہ بنایا تھا۔ عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ ''أن النبی ﷺ قطع سارق سرق ترسا من صفة النساء، ثمنه ثلاثة دراهم (رواہ ابوداؤد و النسائی)، اس حدیث میں صفۃ النساء کا ذکر ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عورتوں کے لیے خاص صفہ تھا، وہیں دوسری روایت جو امام بخاری نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے، فرماتی ہیں ''أسلمت امرأة سوداء لبعض العرب، وكان لها حفش في المسجد، قالت وكانت تأتينا فتحدث عندنا'' اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد میں عورتوں کے لیے خاص چھوٹا سا گھر تھا جہاں ایسی عورتیں مقیم تھیں جن کا کوئی قریبی مدینہ میں نہیں ہوتا تھا۔

اہل صفہ کی حالت

یہ لوگ بڑی غربت، تنگی اور بدحالی کی زندگی گزارتے تھے، ان کے پاس دنیا کی کوئی چیز نہیں تھی، نہ دولت نہ

زمین وجائداد اور نہ اہل وعیال، تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ بھوک سے نماز میں جب کھڑے ہوتے تھے تو گر جایا کرتے تھے، اکثر ایک یا دو کھجور کھانے کو مل جاتی تھی، ان کے پاس بیک وقت دو کپڑے نہیں ہوتے تھے، لوگ انھیں پاگل کہتے تھے، کیوں کہ وہ دین اسلام کے لیے سب کچھ چھوڑ کر اتنی تکلیفیں برداشت کر رہے تھے؛ لیکن انھیں اپنی اس تنگ دستی کا کوئی غم نہ تھا، بلکہ اس میں وہ ایمانی حلاوت محسوس کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کے لیے جو تیار کیا تھا اس سے بہت خوش تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف میں قرآن میں ارشاد فرمایا ہے: لِلْفُقَرَاء الَّذِيْنَ أُحصِرُواْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لاَ يَسْتَطِيْعُونَ ضَرْباً فِيْ الأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاء مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيْمَاهُمْ لاَ يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافاً وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللهَ بِهِ عَلِيْمٌ (البقرۃ:۲۷۳) سدی ومجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد قریش کے غریب مہاجرین ہیں۔ امام قرطبی کہتے ہیں کہ آیت میں اس سے مراد اھل الصفہ ہیں۔

وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ **قال رأيت سبعين من أهل الصفة يصلون في ثوب، فمنهم من يبلغ ركبتيه، ومنهم من هو أسفل من ذلك، واذا ركع أحدهم قبض عليه مخافة أن تبدو عورته** (رواہ احمد) حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے اہل صفہ میں سے ستر ایسے لوگ دیکھے جو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے؛ کچھ لوگوں کے کپڑے اتنے چھوٹے ہوتے تھے کہ جب وہ رکوع میں جاتے تو اس ڈر سے اپنے کپڑے پکڑ لیتے کہ کہیں شرم گاہ نہ ظاہر ہوجائے۔ **وعن واثلة بن الأسقع قال كنت من أصحاب الصفة، وما منا أحد عليه ثوب تام، قد اتخذ العرق في جلودنا طرقا من الوسخ والغبار** (رواہ احمد) واثلہ بن اسقع کہتے ہیں کہ میں اہل صفہ میں سے تھا اور ہم میں سے کسی کے پاس پورا کپڑا نہیں تھا اور پسینے سے ہماری جلد پر غبار جم جاتا تھا۔

اہل الصفہ کا خرچ

اللہ کے رسول ﷺ اکثر اہل صفہ کی زیارت کیا کرتے، ان کے ساتھ بیٹھتے، ان کی دل جوئی کرتے، ان کو دین اسلام کے بارے میں بتاتے اور ان کے مسائل کا حل نکالتے تھے، ساتھ میں ان کے نان ونفقہ کا انتظام خود اللہ کے رسول ﷺ ہی کیا کرتے تھے جو مختلف وسائل سے ہوتے تھے، صدقہ، ہدیہ، عطیہ، ضیافت، یا

غنائم اور فئی میں سے جو کچھ آتا تھا اللہ کے رسول ﷺ خود اس کو اہل صفہ میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ مشہور روایت ہے کہ علی اور فاطمہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے ایک غلام مانگا تھا تو آپ نے فرمایا: خدا کی قسم میں تم لوگوں کو نہیں دے سکتا اور اہل صفہ کو بھوکا تڑپتا ہوا چھوڑ دوں، اس کو بیچ کر وہ مال اہل صفہ پر خرچ کروں گا (رواہ احمد) اور کبھی کبھی ان میں سے کچھ لوگوں کو انصار کے ساتھ بھیج دیتے تھے کہ آج وہ تمہارے مہمان ہیں۔

اہل صفہ کی تعداد:

صفہ کی مساحت اور وہ کتنے لوگوں کے لیے کافی تھی، اس کے بارے میں کوئی خاص معلومات نہیں ہے؛ لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس میں کافی آدمیوں کے لیے گنجائش تھی؛ کیوں کہ روایت میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ولیمہ میں اس کا استعمال کیا تھا جس میں حاضرین کی تعداد ۳۰۰ تک تھی، گرچہ کچھ لوگ ان میں سے اللہ کے رسول ﷺ کے گھر بھی بیٹھے تھے، جو صفہ سے متصل تھا، چنانچہ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت زینبؓ سے شادی کا ولیمہ کیا تھا تو اس میں ۳۰۰ آدمی حاضر ہوئے تھے یہاں تک کہ صفہ اور گھر بھر گیا تھا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ ان کی تعداد ۶۰۰ تک تھی۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اہل صفہ کی تعداد ۶۰۰ یا ۷۰۰ تک تھی اور امام بخاری کہتے ہیں کہ ان کی تعداد متعین نہیں تھی بلکہ گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور بعض لوگوں نے ۴۰۰ تک لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ بعض احادیث میں اہل صفہ کی تعداد بیان ہوئی ہے تو اس کا مقصد ان کی مکمل عدد بیان کرنا نہیں ہے؛ بلکہ اس واقعہ کے وقت ان کی اتنی تعداد تھی، ورنہ ان کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی۔

اصل میں اہل صفہ کی تعداد وقت اور حالات کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، کچھ سفر میں چلے جاتے، کچھ جنگ کی طرف نکل جاتے، کچھ لوگوں کو کسی کے یہاں جگہ مل جاتی تو ان کے پاس چلے جاتے تھے، اس طرح ان کی تعداد حالت کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔

اہل الصفہ کے چند اہم کام

یہ وہ لوگ تھے جو صرف اللہ اور رسول کے لیے اپنا وطن، مال و دولت اور اہل وعیال سب چھوڑ کر مدینہ آئے تھے۔ ان کی ہجرت کا اصل مقصد دین اسلام تھا، اسلام کے بارے میں جاننا اور اللہ کے رسول ﷺ کے

ساتھ رہنا۔ چوں کہ اللہ کے رسول ﷺ زیادہ سے زیادہ ان کے پاس رہتے، ان کو قرآن سمجھاتے اور سکھاتے تھے، اس لیے ان میں سے کچھ لوگوں کو قراء کہا جاتا تھا؛ لیکن اس کے ساتھ یہ لوگ جہاد میں بھی حصہ لیتے تھے، ایسا نہیں تھا کہ یہ لوگ دنیا سے کٹ کر صرف عبادت اور تعلیم میں لگے ہوئے تھے جیسے صوفیاء کا معمول ہوتا ہے، یہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوتے تھے، ان میں سے بعض غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور شہادت نصیب ہوئی، جیسے صفوان بن بیضاء، خزیم بن فاتک الاسدی، خبیب بن یساف، سالم بن عمیر، حارثہ بن النعمان الانصاری، وہیں کچھ لوگوں کو غزوۂ احد میں شہادت کا شرف حاصل ہوا، جیسے حنظلہ الغسیل، کچھ لوگ حدیبیہ میں شہید ہوئے، جیسے جرھد بن خویلد، ابوسریحہ الغفاری، کچھ تبوک میں شہید ہوئے، جیسے عبداللہ ذوالبجادین، ان میں سے کچھ لوگ یمامہ میں شہید ہوئے جیسے مولی ابوحذیفہ، زید بن الخطاب اور کچھ لوگ بئر معونہ میں شہید ہوئے۔

صفہ میں بیٹھنے کا مقصد

یہاں یہ بات جان لینی چاہیے کہ اہل صفہ جو مسجد کے مخصوص حصہ میں رہتے تھے، اس کی وجہ کاہلی یا دنیا بے زاری نہیں تھی اور نہ ذمے داری ومحنت کا فقدان تھا؛ کیوں کہ اسلام میں کسبِ حلال کا حکم دیا گیا ہے، مانگنے اور بیٹھ کر کھانے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ سب سے اچھا کھانا وہ ہے جو انسان کے اپنے ہاتھوں کی محنت کی کمائی کا ہو۔ حتی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کاہلی سے پناہ مانگی ہے "اللهم انی اعوذبك من العجز والكسل۔ ابن الجوزی اپنی کتاب ''تلبیس ابلیس'' میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ مسجد میں ضرورت کے تحت رہتے تھے، ضرورت کے تحت صدقہ وغیرہ کھایا اور جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح یاب کیا تو وہ یہاں سے نکل گئے، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ صفہ میں تین سو لوگ تھے، انتہائی غربت اور فاقہ کشی کے حال میں، پھر بعد میں ان میں سے ہر ایک کو میں نے دیکھا کہ کسی شہر کا گورنر یا ذمہ دار بنا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک دن جب ان کے پاس آئے اور ان کی غربت اور دکھ بھری کیفیت دیکھی تو قرآن کی یہ آیت پڑھی ﴿ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ﴾ (القصص:۵)

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ صفہ کا وجود کچھ خاص حالات اور وقتی ضرورت کے تحت آیا تھا۔ اس لیے جب

وہ ضرورت ختم ہوگئی تو صفہ بھی اسی کے ساتھ ختم ہو گیا، اور یہ فتح مکہ کے بعد ہوا، خاص طور سے عہد خلفائے راشدین کے شروعات میں؛ کیوں کہ اس کے بعد مسلمانوں سے غربت کا خاتمہ ہو گیا، خاص طور سے جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات سے نوازا۔لیکن بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد خلفائے راشدین میں بھی کچھ لوگ صفہ میں رہتے تھے ان ایام کو یاد کرنے کے لیے جن سے مسلمان شروعاتی دور میں گزر چکے تھے۔ چنانچہ عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ جب وہ ام کلثوم بنت علی سے شادی کے لیے گئے تو اہل صفہ کے پاس آئے اور فرمایا کہ کیا آپ لوگ مجھے مبارک باد نہیں دو گے؟ ان لوگوں نے کہا کس چیز پر۔ فرمایا: ام کلثوم سے شادی پر، میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر نسب ختم ہوجائے گا سوائے میرے، ایک اور واقعہ میں آتا ہے کہ ہارون الرشید مدینہ آئے تو کہا کہ مجھے صفہ پر لے چلو اور وہاں انھوں نے ایک ابونصر نامی آدمی کو ۳۰۰ دینار دیے۔ یہ حال دوسری صدی ہجری تک چلتا رہا۔ صفہ پر کھجور کا خوشہ لٹکایا جاتا تھا جیسے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں لٹکایا جاتا تھا۔

اسلام کے پھیلنے میں اہل صفہ کا رول:

چوں کہ اہل صفہ کو اللہ کے رسول ﷺ کے جوار میں رہنے کا شرف حاصل تھا، اس لیے اللہ کے رسول ﷺ اکثر ان کے پاس رہتے تھے اور ان کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے اور دین اسلام کے بارے میں بتاتے تھے۔ ابوطلحہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ اہل صفہ کو سورۂ نساء پڑھا رہے ہیں، وہیں ان کو علم سیکھنے کی تلقین کرتے اور اس کی اہمیت وفضیلت بیان کرتے، وہیں دوسرے صحابۂ کرام بھی اہل صفہ کو تعلیم دیتے تھے۔ عبادہ بن صامتؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اہل صفہ کے کچھ لوگوں کو قرآن اور لکھنا سکھا رہے تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے اسی خاص اہتمام کی وجہ سے اہل صفہ میں بہت بڑے بڑے مفسرین ومحدثین اور فقہاء پیدا ہوئے، جو اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد مختلف جگہوں پر پھیل گئے اور اسلام کی اشاعت میں ان کا ایک اہم رول رہا۔ انھوں نے عملی طور پر اسلام کو دنیا کے کونہ کونہ میں پہنچایا۔

اہل صفہ کے مفسرین میں سب سے مشہور نام ابن مسعودؓ کا ہے جو قرآن کی تفسیر، اسباب نزول، اور ناسخ

ومنسوخ میں بلا کا علم رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے دہنِ مبارک سے ستر سورہ یاد کیں، اس میں کوئی میرا مقابلہ نہیں کرسکتا، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے علم کی گواہی دی، فرمایا: چار لوگوں سے قرآن پڑھو، ابن مسعودؓ، سالم مولی ابی حذیفہؓ، ابی بن کعبؓ ومعاذ بن جبلؓ، ابن مسعودؓ نے قرآن کے اس علم کو ساری دنیا میں پھیلایا یہاں تک کہ ان کے سو سے زیادہ شاگرد تھے جنھیں وصیت کی تھی کہ اس کو دوسرے لوگوں تک پہنچاؤ۔ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد ابن مسعودؓ عراق چلے گئے جہاں وہ قرآن کا درس دیتے تھے، ان کے شاگردوں میں علقمہ، مسروق، الاسود وزر یق بن الحبیش ہیں۔ ابن القیم اپنی کتاب 'اعلام الموقعین' میں لکھتے ہیں: دین، فقہ اور علم، امت میں چار لوگوں کے تلامیذہ سے پھیلا ہے، اصحاب ابن مسعود، اصحاب زید بن ثابت، اصحاب عبداللہ بن عمر اور اصحاب ابن عباس۔

اہل صفہ میں بہت بڑے بڑے عالم حدیث تھے جنھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے ہزاروں حدیث روایت کیں اور اس طرح وہ لوگ احادیث کے مرجع ومصدر تھے، ان میں سب سے پہلے ابوہریرہؓ کا نام آتا ہے، یہ اہل صفہ کے کے عریف تھے اور یہیں اہل صفہ میں رہتے تھے، اکثر وقت اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بتاتے تھے، انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے ۵۸۶۴ حدیثیں (مکررات کے ساتھ) روایت کی ہیں اور اس طرح وہ سب سے زیادہ اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کرنے والے صحابی ہیں۔ ان سے آٹھ سو سے زیادہ صحابی اور تابعی نے روایت کی ہے۔ اصحاب صفہ میں سے حذیفہ بن الیمان بھی ہیں جنھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے فتن کی احادیث روایت کی ہیں۔

جہاں ایک طرف ابن مسعودؓ قرآن کا اتنا بڑا علم رکھتے تھے تو دوسری طرف وہ حدیثوں کے راوی بھی ہیں، انھوں نے ۱۱۷۰ حدیثیں اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کی ہیں اور ترتیب کے لحاظ سے وہ آٹھویں نمبر پر ہیں۔ انھیں میں سے عبداللہ بن عمرؓ ہیں، جنھوں نے بہت ساری حدیثیں روایت کی ہیں۔ اسی طرح اہل صفہ میں بہت سارے وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اسلام کے پھیلانے میں بہت اہم رول ادا کیا ہے، مثال کے طور پر ابوذر الغفاری، سلمان الفارسی، کعب بن مالک الانصاری، بلال بن رباح، براء بن ثابت الانصاری، واثلہ بن الاسقع، عبداللہ ذوالبجادین۔ اس طرح سے اصحاب صفہ نے اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث ہم تک پہنچائی ہے اور اسلام کی نشر واشاعت میں اہم رول ادا کیا ہے۔

چوں کہ اصحاب صفہ اکثر وقت اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو بہت قریب سے دیکھا اور آپ ﷺ کی ہر چیز پر ان کی نظر تھی، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، عبادت، ہنسی مذاق، ہر چیز کو انھوں نے بیان کیا۔ مسجد میں ان کے حلقے ہوتے، جس میں وہ ساری چیزیں تفصیل سے بیان کرتے جو کچھ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنایا کرتے دیکھا، اس طرح سے انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی عملی زندگی نقل کی۔ طلحہ بن قیس الغفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ پیٹ کے بل سو رہے تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو اس طرح سوتے ہوئے دیکھا تو جگایا اور کہا کہ اس طرح نہ لیٹو، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

اہل صفہ اسلام کے دفاع میں بھی پیش پیش رہتے تھے، اور بعد میں ان کے ہاتھوں بہت سارے علاقے فتح ہوئے، ہمذان، ری اور دینور حذیفہ بن الیمان کے ہاتھوں فتح ہوا، اور کتنے ہی عہد خلفائے راشدین میں معرکوں میں شہید ہو گئے، عبد اللہ بن ام مکتوم جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے، قرۃ بن ایاس المزنی معاویہؓ کے زمانے میں جنگ ازارقہ میں شہید ہوئے، اور معاذ بن الحارث جنگ جسر میں ابوعبیدہ بن الجراح کے ساتھ تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد اہل صفہ کے بہت سے لوگ مناطق مفتوحہ میں آباد ہو گئے اور وہاں اسلام کو لوگوں تک پہنچایا، جیسے عرباض بن ساریہ حمص میں آباد ہوئے، عمرو بن عبیسہ شام میں رہنے لگے، فرات بن حیان نے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی، وابصہ بن معبد الاسدی شہر رقہ میں چلے گئے اور معاویہؓ کے زمانے میں قاضی متعین ہوئے، اور ابو الدرداءؓ مدینہ اسکندریہ میں رہنے لگے، بلال حبشی شام چلے گئے، سلمان فارسی کوفہ میں رہنے لگے۔

اس طرح یہ لوگ نئے فتح یاب علاقے میں جا کر آباد ہو گئے، وہاں لوگوں کو تعلیم دیتے اور اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث بیان کرتے، ان کے ہاتھوں بہت سے شاگرد ہوئے، جنھوں نے اسلام کو پھیلانے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

یہ تھے اہل صفہ جو اللہ کے رسول ﷺ کے محبوب تھے، اللہ کے رسول ﷺ ے زیر سایہ سکونت اختیار ی۔ ان کی زندگی عبرت و نصیحت سے بھری پڑی ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ

کے لیے سب کچھ چھوڑ دیا، اتنی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کیں کہ انسانی عقل اس کے تصور سے عاجز ہے۔ لوگ ان کو مجنون کہتے تھے، لیکن انھیں کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ اللہ سے محبت اور توکل علی اللہ اور صبر و برداشت کے اعلیٰ نمونہ تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے بہت ہی زیادہ پیار کرنے والے تھے۔ اسلام کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

تو ہماری ان کے تئیں کیا ذمہ داری ہے؟ سب سے پہلے ہم ان سے محبت کریں، ان کے لیے دعا اور استغفار کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہماری طرف سے ان قربانیوں کا بدلہ دے جو انھوں نے دین اسلام کی راہ میں پیش کی۔ دوسری کوشش ہم یہ کریں کہ اپنے اخلاق کو ان کے اخلاق سے آراستہ کریں۔

وَالَّذِينَ جَاؤُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (الحشر:۱۰)

❖❖❖

مراجع ومصادر

۱۔الاصابۃ فی تمیز الصحابہ لابن حجر

۲۔أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن الأثیر

۳۔أصحاب الصفۃ لأبی تراب

۴۔التحفۃ اللطیفۃ للسخاوی

۵۔رجحان الکفۃ فی بیان نبذۃ من اخبار أهل الصفۃ للسخاوی

۶۔السیرۃ النبویۃ لابن ھشام

جامعۃ الصالحات رامپور میں مطالعہ قرآن

(منہج، اسلوب اور طریقۂ کار کا تجزیاتی مطالعہ)

ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی

مطالعہ وتدریس قرآن مجید کی فکر اور کاوشیں موجودہ صدی کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق پوری دنیا میں جاری ہیں۔ ملک عزیز بھارت میں تدریس کے علاوہ ناظرہ وتحفیظ، ترجمہ، تحشیہ نگاری، تشریح تفسیر نگاری اور دروسِ قرآن کے مجالس گزشتہ چند دہائیوں سے قائدانہ کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہاں یہ ذکر بے جا نہیں کہ خلیق احمد نظامی، مرکز علوم القرآن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جانب سے پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کی قیادت میں چار قومی سمینار منعقد کیے گئے۔ ان سمیناروں کے ذریعہ ملک کے نمائندہ اداروں میں تدریس قرآن کے حوالے سے واضح نقشہ علماء اور دانش وروں کے سامنے آیا۔ مرکز کی فعال ٹیم کے اجتماعی تعاون سے چاروں سمینار بحسن وخوبی انجام پذیر ہوئے اور ان میں پیش کردہ مقالات کے چار مجموعے طبع ہو چکے ہیں۔ ان کے عنوانات یہ ہیں:

۱— مدارس میں قرآن کریم، ۲۹ ر مقالات، صفحات ۳۵۵، سن اشاعت ۲۰۱۸ء

۲— مدارس اسلامی میں قرآن کریم کی تدریس کا مثالی نصاب، ۲۸ ر مقالات، صفحات ۳۱۰، ۲۰۱۹ء

۳— ہندوستان میں مطالعہ قرآن مجید (معاصر منظر نامہ)، ۲۸ ر مقالات، صفحات ۳۲۶، ۲۰۲۰ء

۴— ہم قرآن کریم کو کیسے سمجھیں: معیارات اور مشورے، ۱۷ ر مقالات، صفحات ۲۰۲، ۲۰۲۱ء

۵— ۲۰۲۲ء کا عنوان ہے: خواتین میں مطالعہ قرآن کے فروغ کی عملی تدابیر، جو ۷—۸ ر مارچ ۲۰۲۲ء کو منعقد ہوا ہے۔ (مقالات کی طباعت باقی ہے)

طبع شدہ مقالات کی زبان اردو، عربی اور انگریزی ہے، البتہ پچانوے فیصدی اردو کے مقالات شامل ہیں۔ تمام ریاستوں کے مسالک/ مکاتب فکر سے وابستہ اہل علم نے اس مہم میں شرکت کی۔ درحقیقت قرآن مجید کی غیر متنازع تشریحات اور قرآن کی تدریس وتفہیم نیز مثالی نصاب کی ترسیل وابلاغ کے لیے خلیق احمد نظامی سنٹر کی یہ کاوشیں عصر جدید میں رہنما خطوط عطا کرتی ہیں۔ ان چار مجلدات میں راقم کے مقالات کے

عنوانات یہ ہیں:

۱ــ جامعۃ الفلاح میں قرآن مجید کی تدریس کا طریقۂ کار، ۲۰۱۸

۲ــ جامعۃ الفلاح میں تدریس قرآن کا مثالی نصاب: چند خصائص، ۲۰۱۹

۳ــ ابناء و بنات جامعۃ الفلاح کی قرآنی خدمات، ۲۰۲۰

۴ــ جدید حلقے کے لیے فہم قرآن کی راہ؛ ڈاکٹر عرفان احمد، شکاگو کے تجربات کا مطالعہ، ۲۰۲۱

ان سمیناروں میں جامعۃ الصالحات کے حوالے سے اہل علم کے سامنے تدریس قرآن کے منہج وطریقہ کار کی کوئی تفصیل نہیں آسکی۔

شمالی بھارت کی تعلیمی اقامت گاہِ نسواں: مولانا محمد عبد الحی کی سبقت

بھارت میں مدارس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی مسلمانوں کی تاریخ داخلہ ہند ہے۔ اس ضمن میں انگریزی اور اردو میں کچھ کام ہو چکا ہے جن سے علوم اسلامیہ اور بطور خاص تدریس قرآن کا طریقہ کار اور مفسرین کی خدمات کی بابت معلومات فراہم کی جاسکتی ہیں۔ انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی نے ایک سروے رپورٹ شائع کی ہے جس کا عنوان ہے: ''ہندوستان کے اہم مدارس''۔ ۱۹۹۶ء میں ۱۳۱۷ صفحات میں شائع شدہ اس ڈائریکٹری میں اتر پردیش، اڑیسہ، بہار، بنگال، پنجاب، چنڈی گڑھ، دہلی، راجستھان، کرناٹک، مدھیہ پردیس، مہاراشٹر اور ہریانہ کے سینکڑوں مدارس کا خاکہ مرتب کیا گیا ہے۔ اس ڈائریکٹری کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ پورے بھارت میں نصف درجن بھی مدارسِ نسواں موجود نہیں ہیں۔ اور دار الاقامہ/ بورڈنگ ہاؤس کے ساتھ خواتین کے تعلیمی ادارے تو بالکل عنقا ہیں۔ تحدیث نعمت کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ شمالی بھارت میں کلیۃ البنات، جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ اور جامعۃ الصالحات رامپور کو منظم اقامت گاہ نسواں کی حیثیت سے فضیلت حاصل ہے۔ سطور ذیل میں موخر الذکر کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔

دراصل شمالی بھارت کی اس کمی کو مولانا محمد عبد الحی (۱۹۱۰ءــ ۱۹۸۷ء) نے رامپور کی زرخیز زمین میں جامعۃ الصالحات کی شکل میں قائم کر کے پورا کیا۔ مولانا کو بچیوں کی تعلیم وتربیت سے فطری طور پر دلچسپی، شوق اور مناسبت تھی۔ انھوں نے تعلیم بالغان کا سینٹر بھی قائم کیا، جس کے لیے نصابی کتابوں کا ایک سیٹ تیار کیا۔ اس زمانہ میں مولانا اسماعیل میرٹھی (۱۸۴۴ءــ ۱۹۱۷ء) کی اردو ریڈرس اگرچہ موجود تھیں لیکن وہ

مبتدی طلبہ کو پیش نظر رکھ کر تیار کی گئی تھیں۔ لڑکیوں کی تعلیم کی فکر نے ''بچیوں کا مدرسہ'' کے قیام کا کام اللہ تعالیٰ نے مولانا عبدالحیؒ سے لیا۔ مائل خیرآبادی (۱۹۱۰ء–۱۹۹۸ء) نے بچیوں کے مدرسہ رامپور کی بابت اہم معلومات فراہم کیں۔ جنھیں تفصیل کے ساتھ مرتضیٰ ساحل تسلیمی نے قلم بند کیا ہے۔ بچیوں کے مدرسہ کے سنگ بنیاد میں مولانا ابواللیث اصلاحی (۱۹۱۳ء–۱۹۹۰ء) امیر جماعت اسلامی ہند کا مشورہ شامل تھا۔ مولانا سید حامد حسینؒ، معروف داعی وخطیب کی بہن ''اقبال باجی'' اس کی پرنسپل بنائی گئیں۔ یہ مدرسہ ۱۹۵۶ء میں رامپور میں قائم ہوا۔ ۱۹۶۳ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ہائی اسکول کے نصاب کی تعلیم دلا کر وہاں سے امتحان اور اسناد کا انتظام کر دیا گیا۔ ۱۹۷۰ء میں بورڈنگ ہاؤس کا نظم کیا گیا تا کہ بیرونی طالبات کی رہائش کا بندوبست کیا جا سکے۔ ا؎

بچیوں کے مدرسہ سے فارغ ہونے والی طالبات کی اگلی منزل کا سوال مولانا عبدالحیؒ کو بے چین کرتا تھا۔ وہ ندوۃ العلماء لکھنؤ یا دارالعلوم دیوبند جیسے بڑے ادارے کا خواب سینے میں چھپائے ہوئے تھے۔ انھوں نے مولانا ابوالحسن علی ندوی (۱۹۱۳ء–۱۹۹۹ء) اور مولانا ابواللیث اصلاحی سے استدعا کی کہ اس ادارے کو اپنی تحویل میں لے کر اس کا انتظام وانصرام کریں۔ لیکن دونوں حضرات نے معذرت کی۔ ۱۷/ستمبر ۱۹۷۲ء کو عربی درجات کے قیام کے تعلق سے ایک کنونشن زیر صدارت مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی منعقد ہوا جس میں منظوری کے بعد عربی درجات کے قیام کا عمل شروع ہو گیا اور پھر نومبر ۱۹۷۲ء میں ''بچیوں کا مدرسہ'' جامعۃ الصالحات بن گیا۔ جامعۃ الصالحات رامپور کا سنگ بنیاد راہ مرتضیٰ، اسٹیشن روڈ پر، رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کی نمائندگی کرتے ہوئے مولانا محمد یوسف امیر جماعت اسلامی ہند نے ۱۰/جمادی الاول ۱۳۹۹ ہجری مطابق ۸/اپریل ۱۹۷۹ء کو اپنے ہاتھوں سے رکھا۔ اس موقع پر نہ صرف یہ کہ جامعۃ الصالحات کی جدید عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا بلکہ پہلا کانووکیشن بھی منعقد ہوا جس میں فارغات کو ردائے فضیلت وسند دی گئیں ۲؎

مرتب کتاب مرتضیٰ ساحل نے لکھا ہے کہ بانی ادارہ سید مودودی کے تعلیمی نظریات کے مبلغ وموید تھے۔ وہ سیکولر نظام تعلیم کو قتل گاہیں تصور کرتے تھے۔ رامپور میں مرکزی درس گاہ اسلامی کے ذریعہ لڑکوں کی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا لیکن لڑکیوں کے لیے خلا ہی خلا تھا۔ چنانچہ اس فکر نے جامعۃ الصالحات کی تاسیس کا عزم

وحوصلہ دیا۔ بانی ادارہ کے خلوص ہی کا نتیجہ ہے کہ جامعۃ الصالحات کا پودا آج سرسبز وشاداب تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا ہے اور اس کے طرز ومنہاج پر دیگر ریاستوں میں بھی خواتین کے تعلیمی ادارے قائم ہو چکے ہیں۔

جامعۃ الصالحات کے کورس اور نصاب پر عمومی نظر

جامعہ نے بالکل ابتدائی زمانہ قیام ہی سے مسلم بچیوں کی اعلیٰ تعلیم کا نہ صرف خواب دیکھا بلکہ اس میں رنگ بھرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے آج وہاں جو کورسیز چل رہے ہیں، ذیل میں آفیشیل نصاب تعلیم کے مطبوعہ پراسپیکٹس کی روشنی میں انکی چند جھلکیاں قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ تفصیلات ۲۰۱۷–۲۰۱۶ء کی ترمیمات کے ساتھ ہیں:

۱– درجہ حفظ: طالبات کو پورا قرآن، قرأت کے ساتھ پڑھانے کا معقول نظم ہے۔ حفظ کی تکمیل کے دوران تجوید کی تعلیم اور مشق کرائی جاتی ہے۔ اس درجہ میں کم از کم ۸ سال کی طالبہ کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ حفظ قرآن کی مدت طالبہ کی ذہنی استعداد پر منحصر ہے۔ بعض بڑی طالبات کا آٹھ ماہ میں حفظ قرآن کا ریکارڈ ہے۔ ورنہ عموماً تین سال میں طالبات حفظ قرآن مکمل کرلیتی ہیں۔ نصاب دینیات برائے درجہ حفظ (جامعۃ الصالحات، رامپور) بطور معاون کتاب نصاب کا حصہ ہے۔ ۳؎

۲– درجہ فلاح دارین: وہ بچیاں اور خواتین جو دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہیں، خواہ وہ معمولی تعلیم ہی حاصل کیے ہوئے ہوں، ان کے اس جذبے اور شوق کی وجہ سے دین کی ابتدائی تعلیم، تجوید القرآن، عربی اور اردو ان کو سکھائی جاتی ہے۔ اس کورس کا باضابطہ ایک نصاب ہے۔ تجوید وناظرہ کے علاوہ دینیات اور نصاب اردو کی تعلیم دی جاتی ہے۔ دو کتابیں، نصابی کتب کی حیثیت سے شامل ہیں۔ ۱– رحمانی قاعدہ مکمل، مولانا قاری محمد شفیع صاحب، ۲– اصول التجوید مکمل، مولانا قاری جمشید علی صاحب۔

۳– درجہ خصوصی: وہ طالبات جو ششم کلاس پاس کر کے آتی ہیں ان کے لیے ایک ''خصوصی کلاس'' ہے جس کا کورس ایک سال کا ہے۔ اس کلاس میں طالبات کو اردو اور انگریزی میں اس قابل کر دیا جاتا ہے کہ اگلے سال وہ ابتدائی عالمہ میں آجائیں۔ اس کے نصاب میں قرآن مجید، عربی ادب، عربی قواعد، اسلامیات، اردو قواعد، انگریزی، ریاضی، سلائی اور کمپیوٹر جیسے مضامین کی تعلیم ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے نصاب میں تیسیر

القرآن اورعم پارہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ کورس پری عالمہ سے پہلے کی منزل ہے جس میں اردو کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے تا کہ طالبات پری عالمہ کے لیے تیار ہوسکیں۔

۴۔ **درجہ ابتدائی عالمہ** (Pre-Alima): ابتدائی عالمہ خصوصی اور عالمہ اول کے درمیان ایک Bridge-Class کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں وہ طالبات ایڈمیشن لے سکتی ہیں جو ہفتم کلاس پاس کر کے آئی ہوں اور ان کی انگریزی اور اردو ہفتم کے معیار کی ہو۔ اس کورس کے مضامین یہ ہیں: قرآن کریم، عربی ادب، عربی قواعد، اسلامیات، اردو، انگریزی، کمپیوٹر، سلائی۔ یہ ایک منظم اور منصوبہ بند کورس ہے۔ جو طالبات عالمہ اولی کے داخلہ امتحان میں کامیاب نہیں ہو پاتیں، ان کے گارجین اس ایک سالہ کورس میں اپنی بچیوں کو داخل کراتے ہیں۔ اس کورس کے نتائج صد فی صد ہیں۔ قرآن کریم کے نصاب میں عم پارہ کی سورتوں کا حفظ مع ترجمہ سورہ یٰسین اور سورہ بقرہ کے کچھ حصے شامل نصاب ہیں۔ اس طرح عالمہ میں داخلہ لینے کی خواہش مند طالبات کی تین Categories ہوتی ہیں، جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔

۵۔ عالمہ اولیٰ تا فاضلہ ثانیہ کا دورانیہ چھ سالوں پر مشتمل ہے۔ عالمہ کا کورس، عالمہ چہارم تک چار سالوں پر مشتمل ہے۔ فاضلہ اول اور فاضلہ دوم، فاضلہ کی سند کے لیے مخصوص ہیں۔

۱۔ ۲۰۱۷ء۔ ۲۰۱۶ء کی ترمیم کے مطابق عالمہ اول کے تعلیمی نصاب کے اجزاء یہ ہیں: تجوید، عربی ادب، انشاء، عربی قواعد، (نحو وصرف)، فقہ، تاریخ اسلام، اردو، نثر و نظم، غزلیں، مطالعہ عام، ہوم سائنس، انگریزی، کمپیوٹر۔

۲۔ تعلیمی نصاب برائے عالمہ دوم: قرآن کریم، حفظ قرآن (عم پارہ نصف آخر) تجوید، فقہ، عربی ادب، عربی قواعد (نحو وصرف) انشاء، اردو، نثر و نظم، غزلیں، ہوم سائنس، کمپیوٹر، علم سیاسیات، مطالعہ عامہ، تاریخ اسلام، انگریزی۔

۳۔ تعلیمی نصاب برائے عالمہ سوم: قرآن کریم (پارہ حم، پارہ فما خطبکم ۲۷)، حفظ قرآن (سورہ رحمن، سورہ واقعہ)، حدیث شریف، اصولِ حدیث، فقہ، عربی ادب، عربی قواعد، انشاء، بلاغت، تاریخ اسلام، ہوم سائنس، سیاسیات، انگریزی، مطالعہ عام، کمپیوٹر، اردو۔

۴۔ تعلیمی نصاب برائے عالمہ چہارم: قرآن مجید، حدیث شریف، فرائض، مطالعہ عام، فقہ، عربی ادب،

عربی قواعد، انشاء، بلاغت، تاریخ اسلام، اردو، ہوم سائنس، علم سیاسیات، انگریزی، کمپیوٹر۔

۵۔ تعلیمی نصاب برائے فاضلہ اول: قرآن مجید، حدیث شریف، فقہ، اصول فقہ، انشاء، منطق، اردو، فن تعلیم وتربیت، عربی ادب (نثر ونظم)، تاریخ، مطالعہ عام، انگریزی۔

۶۔ تعلیمی نصاب برائے فاضلہ دوم: قرآن مجید، حدیث شریف، اصول فقہ، انشاء، منطق، اردو، مطالعہ عام، عربی ادب، (نثر ونظم)، تاریخ، انگریزی۔

۷۔ عالمہ وفاضلہ کے نصاب میں اردو زبان کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ مدارس کے اعلیٰ شعبوں تک تدریس زبان وادب میں مادری زبان کی شمولیت نہایت اہم قدم ہے۔ کلاسز کی ترقی کے ساتھ نصابی کتب اور منظوم ومنثور انتخاب کا معیار بھی بلند ہوتا چلا گیا ہے۔

۸۔ سماجی علوم میں سیاسیات کی تدریس کا آغاز عالمہ دوم سے ہوتا ہے، جو عالمہ چہارم تک جاری رہتا ہے۔ دوسری طرف فاضلہ اول میں ''فن تعلیم وتربیت'' کو بحیثیت فن ومضمون کے شامل کیا جانا مدرسہ کے تعلیمی نظام کو معتبر بناتا ہے۔ بھارت کے مدارس میں سوشل سائنسز کے مضامین کی شمولیت خود ان کے تدریسی نظام کے لیے نیک شگون ہے۔ جامعۃ الصالحات میں انگریزی اور سیاسیات کی شمولیت کا اثر یہ ہوا کہ اس کی عالمیت کی سند کو متعدد یونیورسٹی میں انٹرمیڈیٹ کے برابر تسلیم کیا گیا۔ ابتداء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں آ کر طالبات کا ہائی اسکول (P.U.C.) کا اگزام دینا اور عالمیت وفضیلت کی بنیاد پر مختلف کورسز میں داخلہ کی سہولت سے فیض یاب ہونا اس کی شہرت کا باعث بنا۔

عربی درجات کے تعلیمی نصاب میں قرآن کا حصہ

اس سرسری جائزے سے مطالعہ وتدریس قرآن کے ضمن میں درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ عالمہ اول سے قبل ناظرہ، حفظ، تجوید، ترجمہ کے ساتھ آیات، نیز دعاؤں کو حفظ کرایا جاتا ہے۔

۲۔ عالمہ اول میں قاری محمد شفیع رحمانی صاحب کی کتاب ''یسرنا القرآن'' کے ذریعہ تجوید کی تعلیم دی جاتی ہے۔

۳۔ عالمہ دوم میں پارہ عم مکمل اور تبارک الذی (۲۹) سے سورۃ الملک تا سورۃ نوح (نصف اول) کا ترجمہ کرایا جاتا ہے۔ نیز پارہ عم (نصف آخر) کا حفظ بھی نصاب کا حصہ ہے۔

۴— عالمہ سوم میں پارہ حم (۲۶) پارہ قال فما خطبکم (۲۷) کا ترجمہ کرایا جاتا ہے۔ سورۃ الرحمن اور سورۃ الواقعہ کا حفظ نصاب کا حصہ ہے۔ واضح رہے کہ عالمہ اول تا سوم میں حل مطالب کا پورا علمی ریاض طالبات خود کرتی ہیں۔ اور کلاس میں اس پر مقارنہ ومباحثہ ہوتا ہے۔

۵— عالمہ چہارم میں درج ذیل سورتیں شامل ہیں: سورۃ الانبیاء، سورۃ الحج، سورۃ المومنون، سورۃ النور، سورۃ الفرقان۔ ان سورتوں کے ترجمہ اور تشریح میں علمی انداز اختیار کیا جاتا ہے۔

نوٹ: ۱۷–۲۰۱۶ء میں ترمیم کی رو سے ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' کا اضافہ کیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا یہ کتابچہ مختصر اور معیاری ہے۔ اس رسالہ کے بعد اردو زبان میں اصول تفسیر پر کوئی گرانقدر اضافہ نہیں ہوسکا۔

۶— فاضلہ اول میں قرآن کا حصہ اس طرح ہے: سورۃ الانعام، سورۃ الانفال، سورۃ التوبہ، سورۃ الاحزاب، سورۃ الاعراف۔ سورہ یٰسین اور سورۃ الملک کا حفظ نصاب کا حصہ ہے۔

۷— فاضلہ دوم میں تعلیمی نصاب قرآن اس طرح ہے: سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ کا خصوصی مطالعہ وتعارف۔

نوٹ: عالمہ چہارم تا فاضلہ دوم تک مطالعہ قرآن میں دوطرفہ کلاس ورک ہوتا ہے، یعنی طالبات اور اساتذہ دونوں کی عملداری ہوتی ہے۔ اس دوطرفہ عمل کے نتیجے میں کلاس متحرک ہوتا ہے۔ آزادی فکر کی فضا برقرار رہتی ہے۔ درجہ فاضلہ دوم میں خارجی مطالعہ برائے قرآنیات کے لیے درج ذیل کتابیں مقرر ہیں: قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں (سید ابوالاعلیٰ مودودی)، قرآنی تعلیمات (محمد یوسف اصلاحی)، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار (امین احسن اصلاحی)۔

مطالعہ وتدریس قرآن کا منہج، اسلوب اور طریقۂ کار

سطور بالا سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جامعۃ الصالحات میں تدریس قرآن، تحفیظ قرآن اور تجوید قرآن پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ ابتدائی اور ثانوی درجات کا منظم انتظام وانصرام ہونے کی وجہ سے عالمہ اول میں خود اسی ادارے کے منصوبے/تجویز کردہ نصاب سے طالبات کو گزارا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ درجہ آٹھ تک سرکاری نصاب کا خیال کرتے ہوئے حساب، انگریزی، ہندی اور دیگر مضامین شامل ہیں۔ تاکہ طالبات کو

ہائی اسکول کا اگزام دینے میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ تاہم ملک کے دیگر خطوں سے یا خود رامپور کی وہ طالبات جن کے اندر استعداد کی کمی پائی جاتی ہے۔ عالمہ اولیٰ سے قبل اس کمی کو چار سطحوں پر حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے:

(۱) درج حفظ (۲) درجہ فلاح دارین، (۳) درجہ خصوصی اور (۴) درجہ پری عالمہ

جامعۃ الصالحات کے طریق تدریس ومطالعہ میں جدید طرز تدریس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ قدیم اور روایتی طریق تدریس سے اوپر اٹھ کر تمام مکاتب فکر کی تفاسیر سے استفادہ اس ادارے کی اہم پہچان ہے۔ یہاں کے اساتذہ قرآن میں مظاہری، قاسمی، ندوی، اصلاحی، فلاحی نیز دیگر اداروں کے مستند علماء سند تفسیر پر جلوہ افروز ہوتے رہے ہیں۔ ماضی میں مولانا عزیر الحسن مظاہری (۱۹۱۳۔ ۱۹۹۶) اور مولانا ابوبکر اصلاحی (۱۹۲۲۔ ۱۹۹۸) کے نام بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ منہج درس وتدریس کے حوالے سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا حمیدالدین فراہی (۱۸۸۸ء—۱۹۳۰ء) کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی (۱۹۰۴ء—۱۹۹۹ء) کی تدبر قرآن (۹ رجلدیں) کے ''نظم قرآن'' سے بخوبی استفادہ کیا جاتا ہے۔ بانی درس گاہ مولانا محمد عبدالحی چوں کہ سید مودودی کی فکر اقامت دین سے نہ صرف متاثر تھے بلکہ دلائل ومعقولیت کی بنا پر جامعۃ الصالحات کے ذریعہ بھارت کی خاتونان کے درمیان اس فکر کو مقبول ومتعارف کرنے کی عظیم خدمت انجام دیتے رہے۔ چنانچہ بھارت کے عظیم مجدد ومفکر سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳ء—۱۹۷۹ء) کی شہرۂ آفاق تفہیم القرآن (چھ جلدوں) سے طالبات ترجیحی طور پر استفادہ کرتی ہیں۔ ۴؎

۱—متن قرآن کے حل کرنے کی مشق عالمہ اول ہی سے درجات کے اندر شروع ہوجاتی ہے۔ طالبات درجات میں پوری تیاری کر کے آتی ہیں جس دن جو حصہ قرآن درجوں میں پڑھایا جاتا ہے، طالبات اپنے رجسٹر/کاپیوں میں مشکل الفاظ/اصطلاحات کے معانی تلاش کر کے لاتی ہیں۔ بطور خاص عربی لغات کا استعمال کرنے کی تلقین کی جاتی ہے، اردو لغات بھی زیر مطالعہ رہتی ہیں۔ عالمہ دوم تک درجات میں استانیوں /اساتذہ کی مدد سے صحیح مفہوم کا تعین کیا جاتا ہے۔ طالبات اپنی الگ رایوں کا اظہار بھی کرتی ہیں۔ عالمہ سوم سے طالبات اس لائق ہوجاتی ہیں کہ از خود معنی ومدلول تک پہنچ جاتی ہیں۔ چنانچہ بنیادی طور پر تفسیر قرآن عالمہ سوم سے ہی شروع ہوتا ہے۔ درجات میں طالبات اس دن کے حصہ قرآن کی خواندگی کرتی ہیں، ترجمہ

کرتی ہیں، اور اساتذہ کی مدد سے اس کی تشریح، تفہیم اور تعبیر و تاویل وغیرہ کے مراحل سے گزرتی ہیں۔

۲ــ بورڈر طالبات روزانہ اپنے اسباق کو ہاسٹل میں انفرادی یا اجتماعی طور پر دہراتی ہیں، کلاس کے مباحثہ ومحاضرہ کو تازہ کرتی ہیں، اپنے نوٹس بناتی ہیں، اشکال ہوتا ہے تو دوسرے دن اساتذہ سے تعاون لیتی ہیں۔ امتحانات کے زمانے میں تفہیم قرآن اور مباحثہ ومقارنہ کی یہ مجلس مزید پُرشکوہ ہوجاتی ہیں۔ مرکزی لائبریری سے استفادہ بھی ہونے لگتا ہے، جہاں تفسیر کی امہات کتب کا عظیم ذخیرہ طالبات کا منتظر رہتا ہے۔ صالحات کی لائبریری میں تمام مکاتب فکر کی تفاسیر سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ غیر بورڈر طالبات اپنے گھروں میں یہی وظیفہ دہراتی ہیں۔ غیر بورڈر طالبات کے لیے بھی لائبریری سے استفادہ اور کتب نکالنے کا انتظام ہے۔

۳ــ عالمہ سوم تا فضیلت دوم کا زمانہ مطالعہ وتدریس قرآن کے لیے اپنے مراحل کے اعتبار سے ترقی کرتا جاتا ہے۔ ماہر اساتذہ کی زیر نگرانی اعلیٰ درجات میں تدریس قرآن تحقیقی اور استخراجی رخ اختیار کرتا ہے۔ ذہین طالبات کے سوالات کے نتیجے میں اساتذہ کو پوری تیاری کے ساتھ کلاس میں آنا ہوتا ہے۔ ان درجات میں علامہ حمید الدین فراہیؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مفتی محمد شفیعؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، عبدالماجد دریابادیؒ وغیرہ کے تفسیری افکار وخیالات سے استفادہ ہوتا ہے۔ دوسری طرف عہد وسطیٰ کے ابن کثیرؒ، زمخشریؒ، اور رازیؒ کے قرآنی افکار وآراء کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔ اس طرح تدریس قرآن میں قدیم صالح اور جدید نافع کی رنگا رنگی، طالبات اور اساتذہ کو قرآن مجید کی عظمتوں کے اعتراف میں کمک فراہم کرتی ہے۔ اس پورے عمل میں سلف صالحین اور علماء اہل سنت کی آراء کو اعتبار حاصل ہے جو اس تعلیمی ادارے کے منہج اور فکر کا قبلہ درست رکھتا ہے۔

۴ــ مطالعہ وتدریس قرآن کا عمل درجات میں یک طرفہ نہیں ہوتا اور نہ کسی خاص تفسیر کی خواندگی درجات میں ہوتی ہے۔ تدریس کی یہ دونوں قدریں اس ادارے کے زمانہ قیام ہی سے قائم ودائم ہیں جس کے خوشگوار اثرات پیدا ہوئے ہیں۔ اساتذہ کرام کلاسز میں طالبات کو حاصلِ مطالعہ پیش کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ علمی مباحثہ کے ذریعہ قرآنی محاضرہ معیاری، سنجیدہ اور وقیع ہوجاتا ہے، تمام طالبات کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ سوالات وجوابات کے ذریعہ اساتذہ کو بھی اپنا موقف واضح کرنے اور طالبات کی علمی پیاس بجھانے کے لیے انتھک محنت کرنا پڑتی ہے۔ دوسری طرف کسی خاص عربی یا اردو تفسیر کے نصاب میں متعین نہ ہونے کا

نقد فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اخذ و استفادہ کی آزاد فضا باقی رہتی ہے۔ بلا امتیاز مسلک ومشرب عربی اور اردو کتب تفسیر سے استفادہ ہوتا ہے۔ اساتذہ اور طالبات معاصر عہد کے مفسرین اور متقدمین سے علمی اختلافات درج کراتی ہیں اور اساتذہ اس کا بُرا نہیں مانتے ہیں۔

۵ — جامعہ میں استخراجی و اجتہادی اور تحقیقی مطالعہ ومحاضرہ کی فضا کلاس اور انفرادی مطالعہ نیز دروس قرآن کی محفلوں میں شاد وآباد نظر آتی ہے۔ اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ سورہ کے مرکزی عنوان (عمود) کو آیات کی مدد سے تلاش کیا جائے۔ اس تحقیقی سفر کو آیات اور احادیث کی مدد سے باوقار بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ فہم قرآن میں اندرونی اور بیرونی شہادتوں سے بھر پور مدد لی جاتی ہے۔ (یعنی تفسیر القرآن بالآیات اور تفسیر القرآن بالاحادیث/ بالآثار اور کتب سابقہ سے تفسیر)۔ اس طریقہ تدریس میں اسرائیلی روایات یا فقہی مباحث، یا صوفیانہ طریقہ تفسیر یا منطقی وفلسفیانہ طریقہ تفسیر کے لیے کوئی زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی ہے۔ رائج منہج وطریقہ تدریس کے ذریعہ فہم قرآن کی رعایت اس طرح کی جاتی ہے کہ ہر آیت، ہر سورہ اور پورا قرآن تحقیقی انداز میں طالبات کے علم وفہم کا حصہ بن جائے۔ دوسری جانب اس ادارے کا یہ مقصد نہایت اہم ہے کہ قرآن کی تعلیمات واحکامات کو عملی زندگیوں میں اتارا جائے۔ چنانچہ قرآنی تعلیمات، نصیحتوں اور احکامات کا ذکر وچرچہ کلاس میں ہوتا ہے۔ طالبات دوران تعلیم اور بعد فراغت دروس قرآن اور تذکیری محفلوں میں تعلیماتِ قرآن کو عوام وخواص کے درمیان پھیلانے کی کوشش کرتی ہیں۔ ایسی طالبات کی خدمات کو الگ سے مرتب کرنے کی ضرورت ہے جو فراغت کے بعد سلسلہ دروس قرآن سے وابستہ ہو کر صالحات سے حاصل شدہ فہم قرآن کے خیر کثیر کی اشاعت میں حصہ لے رہی ہیں۔

۶ — ''تفسیری مقابلہ ومسابقہ'' کا پروگرام اگرچہ غیر تدریسی عمل ہے، لیکن عالمہ اور فاضلہ کی طالبات کے درمیان اس غیر نصابی سرگرمی کا ذکر بطور خاص کیا جانا چاہیے جس کا تعلق تدریس قرآن سے گہرا ہے۔ اس مسابقہ/ مقابلہ کے دس نمبر ہوتے ہیں، جو امتحان کے پرچے میں شامل کیے جاتے ہیں۔ اس لیے اس میں طالبات کی شرکت بھی لازمی ہوتی ہے۔ کئی ہفتوں تک ریہرسل کے بعد اس کا اختتامی اجلاس صالحات کے آڈیٹوریم میں ایک باوقار جلسے کی شکل اختیار کر لیتا ہے، استانیوں اور اساتذہ کی زیر نگرانی تیار کردہ طالبات کا یہ تفسیری مقابلہ تقریر کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ جج صاحبان (مرد) اول، دوم اور سوم کے نقد انعامات

کے ساتھ چند تشجیعی انعامات کا بھی اعلان کرتے ہیں۔ سال میں دو تین بار اس طرح کے تفسیری مقابلے مدارس کی تاریخ میں قابل تقلید روایت ہیں۔ ان مقابلوں کے شرکاء کو توصیفی اسناد بھی تقسیم کی جاتی ہیں۔

غیر نصابی سرگرمیوں میں ''کوئز مقابلے'' بھی قابل ذکر ہیں، جن کے ذریعہ اسلامی تاریخ اور عام معلومات کے ماسویٰ قرآن مجید کی بنیادی تعلیمات اور سورتوں/ آیات کے حوالوں کے استحضار سے طالبات کو اپنی لیاقت بڑھانے کا موقع ہاتھ آجاتا ہے۔ چنانچہ قرآنیات، دینیات، سیرت، تاریخ وغیرہ کی امہات کتب، مصنّفین اور دیگر معلومات کا ایک پختہ علمی ذخیرہ طالبات کے علمی کشکول میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ غیر تدریسی/غیر نصابی سرگرمیاں طالبات کے شخصی ارتقاء میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ غالباً مولانا عبدالخالق ندوی صاحب کی تیار کردہ کتاب ''بناء الشخصية الاسلامية فى ضوء السيرة النبوية'' اسی مقصد کے لیے تیار کروائی گئی ہے، تاکہ طالبات تقریری مقابلوں میں اس سے استفادہ کریں۔ عربی اور اردو ہفتہ وار اجتماعات کے لیے النادی العربی/ الاردو کو امینۃ الصّف، امینۃ العامہ اور امینۃ الخطابہ منظم انداز میں چلاتی ہیں اور اساتذہ کی رہنمائی میں طالبات کو منظم کرکے ان کے اندر قیادت کرنے کا ہنر حاصل ہوتا ہے۔ ان تمام سرگرمیوں میں قرآنی تعلیمات کو انتہائی خوبصورت انداز میں پرونے کی کوشش کی جاتی ہے۔ درحقیقت یہ پوری جدوجہد جمعیۃ الطالبات کی سرگرمیوں کی تاریخ رقم کرتی ہے۔ رحاب جامعہ میں طالبات کی یہ سرگرمیاں ان کی زندگی کی خوبصورت یادوں اور خوابوں کو اپنے دامن میں سمیٹتی ہیں۔ توقع ہے کہ مجلۃ الصحوۃ (سالانہ میگزین) میں یہ یادیں جگہ پاتی ہوں گی۔ اور فارغات اپنی شخصیت کی تعمیر و ارتقاء میں اس کو برتتی بھی ہوں گی۔ ۵؎

مشورے اور سفارشات

بہتر تو یہ ہوتا کہ بھارت کے مدارسِ نسواں کا جائزہ لے کر مقالے کے اس حصے کو ترتیب دیا جاتا لیکن بوجوہ ایسا ممکن نہیں ہو پا رہا ہے۔ قوی امید تھی کہ ۱۹۹۶ میں انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز دہلی نے ''ہندوستان کے اہم مدارس'' کا جو ملک گیر سروے کرایا ہے، اس میں جہانِ نسواں کے تعلیمی مراکز پر کچھ مواد مل جائے گا لیکن افسوس ہوا کہ اس میں جامعۃ الصالحات رامپور اور کلیۃ البنات اعظم گڑھ، جیسے عظیم اداروں کا تذکرہ تک نہیں ہے۔ اس میں مدرسہ کلیۃ البنات ڈومریا گنج قیام ۱۹۸۲ (ص۶۱)، سراج العلوم نسواں کالج،

اپر کوٹ، علی گڑھ قیام ۱۹۴۸ء (ص ۱۶۲)، حقانیہ مدرسہ البنات، ضلع ۲۴ پر گنہ ویسٹ بنگال (ص ۵۱۷) کا ذکر جمیل تو ہے۔ لیکن بھارت میں متعدد اہم تعلیمی اداروں کی موجودگی میں یہ چند نام کافی نہیں ہیں۔ امید ہے کہ اس اہم سروے کے مرتب گرامی جناب محمد قمر اسحق صاحب جلد دوم میں بھارت کے عظیم مدارس دینیہ کا احاطہ کریں گے اور خواتین کے تعلیمی مدارس/ مراکز کا احاطہ بھی فرمائیں گے۔

اس سروے کی ''تقریظ'' میں جناب سید حامدؒ (۱۹۲۰ء — ۲۰۱۴ء) نے ۱۹۹۶ء میں علماء و کارپردازان مدارس سے خواہش کی تھی کہ اگر مدارس میں جدید علوم کے شمول کے نفع ونقصان پر سیر حاصل بحث کریں تو وقت کی ایک اہم ضرورت معرض فکر میں آجائے گی۔ انھوں نے لکھا کہ ''کیا یہ ممکن ہوگا کہ مدارس کے فارغین روزگاری پیشہ ہائے فضائل بھی لگے ہاتھوں تیار ہو جائیں یعنی ان میں سے کتنے مساجد اور مدارس میں خدمت انجام دے رہے ہیں، کتنے تنظیموں سے وابستہ ہو گئے ہیں اور کتنے تجارت وحرفت میں لگ گئے ہیں۔ ہمیں اس کا اوسط اندازہ درکار ہوگا مطلق اعداد وشمار کی ضرورت نہیں ہے۔۶ ۔

سب سے پہلے نصاب جامعۃ الصالحات ترمیم شدہ ۲۰۱۷ — ۲۰۱۶ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ مجلس تعلیمی سے درخواست کی جاتی ہے کہ ایک جاذب نظر پروسپکٹس مع قواعد وضوابط تیار کریں۔ اس ضمن میں چند پہلو قابل غور ہو سکتے ہیں:

(۱) مثلاً درجہ فلاح دارین (Unique class) کی ترکیب کا اختیار کیا جانا ادبی ذوق پر گراں گزرتا ہے۔ کیوں کہ اصل اور ترجمہ میں مطابقت بھی نہیں ہے۔ کسی دیگر متبادل پر غور کیا جائے۔

(۲) نصاب تجوید وناظرہ قرآن برائے درجہ فلاح دارین میں صرف ''ارکان التجوید کے لیے Pillars of Tajweed کی اصطلاح اختیار کی گئی ہے۔ اگر انگریزی لکھنا ضروری ہی ہے تو دیگر تمام اصطلاحات کی انگریزی بھی لکھی جائے مثلاً ترتیل، تجوید، مخارج، لحن وغیرہ۔ ورنہ ہر جگہ صرف اردو سے کام چلایا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ کسی ایک اصطلاح کو انگریزی کا قالب عطا کرنا اور دیگر اصطلاحات کو محروم کرنا، خود علمی تحقیق اور دیانت کے خلاف ہے۔

(۳) نصابی کتب میں: رحمانی قاعدہ مکمل، مولانا قاری محمد شفیع صاحب درج ہے۔ عرض یہ ہے کہ کتابوں کو نمبر شمار کے ساتھ لکھا جائے اور ترتیب یہ قائم کی جائے: نام کتاب، نام مصنف، نام مطبع، سن اشاعت

/ ایڈیشن کی تعین اور اس عمل کو پورے نصاب کی منتخب کتب(Recommended Books) میں جاری کیا جائے۔ پورے نصاب میں یہ کمی نمایاں طور پر کھٹکتی ہے۔ دوسری گزارش یہ کہ مصنف کا صرف نام لکھا جائے۔''جناب/محترم صاحب'' کے سابقے سے گریز کیا جائے۔ یہ طریقہ جدید طریقہ تحقیق کے خلاف ہے۔

(۴) نصاب میں جہاں پارہ مثلاً پارہ **حم** (۲۵) یا **قال فما خطبکم** (۲۷) لکھا ہے وہاں سورہ کا نام لکھا جائے، کیوں کہ علمی انداز مطالعہ سورہ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے نا کہ پارہ کے ساتھ۔ پاروں کی تقسیم تلاوت کے لیے اور عوام کی آسانی کے لیے کی گئی ہے۔

(۵) عالمہ وفاضلہ کے علاوہ دیگر چار کورسیز (الف) شعبہ حفظ، (ب) درجہ فلاح دارین، (ج) درجہ خصوصی، (د) پری عالمہ، کا ذکر پراسپیکٹس میں موجود ہے، ان تمام کورسیز کے سامنے مدت کورس کا ذکر بھی ضروری ہے۔ نیز ان کورسیز میں داخلہ کے لیے لیاقت(Qualifying Degree) کا اندراج بھی کیا جائے تا کہ کوالیٹی ایجوکیشن کے فوائد حاصل ہوسکیں۔

عربی کے اعلیٰ درجات کے لیے چند مشورے اور تجاویز

(۶) تعلیمی نصاب برائے عالمہ اول کے ذیل میں ''عربی ادب گرامر'' کو ۱۶ منتخب اسباق نے ۱۶ سطریں حاصل کر لی ہیں جب کہ انھیں آٹھ سطروں میں سمویا جاسکتا ہے۔ یا بعض مواقع پر انگریزی کی وضاحت کی طوالت گراں گزرتی ہے۔ یہ طوالت نصاب کے بعض دیگر مقامات پر بھی ہے اسے درست کیا جانا چاہیے۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ ان ابواب کو اگر اعراب لگادیا جائے تو طالبات، ان کے گارجین اور عامی کے لیے بھی مفید مطلب ہوگا۔

(۷) تعلیمی نصاب میں بعض اصطلاحات محل نظر ہیں۔ مثلاً درجہ خصوصی (Khususi) کو Specialized Course کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح عالمہ اول، دوم، سوم، چہارم کو ''عالمہ اولی، ثانیہ، ثالثہ اور رابعہ'' بنایا جائے کیوں کہ عربی قاعدے کی رو سے ''موصوف وصفت'' میں تذکیر وتانیث کی مطابقت ضروری ہے۔ اسی طرح فاضلہ اول ودوم کو فاضلہ اولی اور فاضلہ ثانیہ یا اخریٰ کیا جانا چاہیے۔ اسناد وغیرہ پر بھی اس کی تصحیح لازمی ہوگی۔

(۸) پورے نصاب میں تجویز کردہ کتب برائے نصاب یا برائے عام مطالعہ یا خارجی مطالعہ میں معیاری

مصنّفین اوران کی شاہکار تصنیفات کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ایک گزارش یہ ہے کہ ''تاریخ ادب'' کے ساتھ تاریخ اسلام اور سیرت نبوی کی بعض امہات کتب بھی خارجی مطالعہ کے لے نصاب میں داخل کی جائیں تا کہ صحابیات وتابعات کے عظیم کارناموں سے شخصی ارتقاء میں مدد مل سکے۔

(۹) قوی امید ہے کہ جامعۃ الصالحات کا ویب سائٹ، مدرسہ کی جملہ معلومات کو محفوظ کر کے تشنگانِ علم کی رہنمائی کرے گا۔ایک معیاری ویب سائٹ بنانے کی عمدہ پہل کی جائے۔اس کے ذریعہ دینی ودنیاوی علوم کے اس سنگم کی خدمات اور فتوحات کا علم دنیا کو ہوگا۔اور غیر تدریسی/غیر نصابی سرگرمیوں کو اپلوڈ کیا جانا چاہیے۔امید ہے کہ حجاب کا اسلامی تصور اس پیش قدمی میں مانع نہیں ہوگا۔

اختتامیہ

جامعۃ الصالحات کو بفضلہ تعالیٰ ملک گیر سطح پر مسلمانانِ ہند کی جانب سے اعتبار حاصل ہو چکا ہے۔ چنانچہ قیام جامعہ سے آج تک تمام ریاستوں کی طالبات یہاں آ کر تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوتی رہی ہیں۔جامعۃ الصالحات کے نصاب (ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ) میں ہر جگہ قرآن کی تدریس وتفہیم اور مطالعہ کی دنیا آباد نظر آتی ہے۔عربی درجات کا امتیاز یہ ہے کہ قرآن کو کلیدی مقام حاصل ہے۔روزانہ ہر کلاس میں ایک گھنٹی تدریس ومطالعہ قرآن کے لیے مخصوص کی گئی ہے اور تحقیقی منہج تدریس کے نتیجے میں فارغات نہ صرف قرآن کی معلمہ ہو جاتی ہیں بلکہ دعوتی میدان میں مدرّسہ کے فرائض بھی بخوبی انجام دیتی ہیں۔فارغات کی ایک قابل لحاظ تعداد، بیرون ملک اپنی فیملی کے ساتھ رہتی ہے اور دروس قرآن کے حلقے اس نے قائم کرر کھے ہیں۔فارغات کی قرآنی خدمات (مقالات، کتب، دروس) کو یکجا کیا جانا چاہیے تا کہ تصنیف وتالیف اور ترجمہ نگاری کے میدان میں ان کی خدمات منظر عام پر آسکیں۔

بھارت کے تکثیری معاشرے میں مسالک ومذاہب کے درمیان جو شدت پسندی اور تعصب پایا جاتا ہے ان کے حل کے لیے دیگر امور کے ساتھ وسعت قلب ونگاہ کی اہمیت سے انکار مشکل ہے۔جامعۃ الصالحات، خواتین کے اندر یہ اہم صفت پیدا کرنے میں پوری مستعدی کے ساتھ گامزن ہے۔مختلف مدارس کے اساتذہ کی نگرانی میں تعلیم وتدریس کے ذریعہ جو وسعت نظر طالبات میں افزائش پاتا ہے وہ مخصوص تفاسیر کی خواندگی یا مخصوص فقہی ومسلکی نظریے کی حکمرانی کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔اس نظام تعلیم

وتربیت سے گزر کر جو طالبات میدان عمل میں سرگرم ہیں، وہ بھارت کے دیگر مذاہب کا مطالعہ کرتی ہیں اور ان کے درمیان دعوتی کام کی خواہش اور جرأت بھی رکھتی ہیں۔ اپنوں اور غیروں کے افکار کو جاننا اور ان کی کتابوں کے مطالعہ کی حوصلہ شکنی کے بجائے حوصلہ افزائی اس ادارے کی اہم خوبی ہے۔

جامعۃ الصالحات کا اقامتی کردار قابل تقلید وستائش ہے۔ بورڈنگ ہاؤس کا انتظام وانصرام کسی بھی تعلیمی ادارے کے تاج میں خوبصورت نگینے کی مانند ہے کہ اسی اقامتی کردار سے نسائی بسط وکشاد بنتی ہیں۔ مسلسل کئی سالوں کی مجاہدانہ زندگی ان کے شخصی ارتقاء میں کمال پیدا کرتی ہے۔ قابل مبارک باد ہیں وہ تمام اساتذہ، استانیاں اور غیر تدریسی اسٹاف جو حجاب کے اسلامی تصور کے ساتھ امت اسلامی کے ان نگینوں میں تعلیم وتربیت کا یہ معیاری نظام روز اول سے قائم کیے ہوئے ہے۔ قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ کلاسیز، بورڈنگ ہاؤس، ڈائننگ ہال، لائبریری اور کھیل کے میدان میں مسلکی وفقہی عصبیت کی کہیں جھلک تک نظر نہیں آتی ہے۔ فقہ حنفی کے علاوہ دیگر مسالک کے مطابق طالبات غور وفکر کرتی ہیں اور عملی طور پر انھیں برتتی بھی ہیں۔ اس ضمن میں ''بدایۃ المجتہد'' کا داخل نصاب کیا جانا فال نیک ہے۔ علامہ ابن رشد قرطبی (۱۱۲۶—۱۱۹۸ء) کی یہ کتاب ''فقہ مقارن'' کی اہم ترین کتاب تصور کی جاتی ہے۔ مجلس علمی/تعلیمی، جامعۃ الصالحات قابل مبارک باد ہے کہ اس نے اسے اپنے نصاب کا حصہ بنایا اور مقتدر علماء کی زیر نگرانی اس اہم کتابِ فقہ کے ذریعہ تقارب بین المسالک کی فضا ہموار کرنے والی خواتین کی قابل لحاظ تعداد ہر سال اس ادارے سے فارغ ہو رہی ہیں۔ بعض اساتذہ نے تمام مسالک کی آراء کو جمع کر کے کتابی شکل دی ہے جو طالبات کے درمیان مطالعہ میں رہتی ہے۔ مولانا عبدالخالق ندوی حفظہ اللہ (پ: ۱۹۵۹/ سن فراغت: ۱۹۸۰) نے اس ضمن میں پہل کی ہے۔

آخری بات یہ کہ ملک کے مدارسِ نسواں کے درمیان قربت واتصال کی فضا ہموار کی جائے۔ معلمات وطالبات کی زیارتیں ایک دوسری جگہوں پر ہوں، سمینارس/ سمپوزیمس کا انعقاد ہو، تاکہ بھارت کی دیگر ریاستوں میں اور خود اتر پردیش کی جامعاتِ نسواں ایک دوسرے کا تعارف حاصل کر سکیں۔ ایک دوسرے کی نصابی خوبیوں سے استفادہ عام ہو۔ اس ضمن میں ایک پیش رفت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ نصاب جامعہ الصالحات کی ایک منتخب کمیٹی بنائی جائے اور عصر جدید میں قائدانہ کردار ادا کرنے کی خاطر معاصر تدریسی

ضرورتوں کی رعایت تعلیمی نظام میں رکھی جاسکے۔

☆☆☆

حواشی

۱۔ مرتضیٰ ساحل تسلیمی، تحریک اسلامی کے داعی اور مربی، مولانا محمد عبدالحی: حیات وخدمات، مکتبہ الحسنات، دہلی، ۲۰۰۶ء، ص ص ۲۱۴—۲۱۸ ملخصاً

۲۔ مولانا محمد عبدالحی، مرتبہ مرتضی ساحل تسلیمی، محولہ بالا، ص ص ۲۱۷—۲۲۵ ملخصاً، نیز دیکھیں بیک کور وہی کتاب۔ ساحل تسلیمی کے مطابق بانی صالحات کے ابتدائی رفقاء میں ذیل کے اسماء بنیادی اہمیت کے حامل ہیں: سید امجد میاںؒ، محمد فیاض خاںؒ، غلام رحمانیؒ، توسل حسینؒ، منظور احمد شمسیؒ، منظور الحسن ہاشمیؒ اور سلیم الباری۔ قابل ذکر ہے کہ حالیہ عشروں میں مولانا محمد یوسف اصلاحیؒ نے اس ادارے کے تعلیمی، انتظامی اور مالی امور کی نگرانی میں سرگرم حصہ لیا۔ ضرورت ہے کہ قدیم وجدید کار پردازان جامعہ کی خدمات کا خوبصورت مرقع تیار کیا جائے تا کہ تاریخ صالحات کا یہ باب تشنہ باقی نہ رہے۔

۳۔ عالمہ سے پہلے چار کورسیز کی تفصیلات اگرچہ جزوی طور پر مطبوعہ شکل میں موجود ہیں، لیکن اس ضمن میں بعض اہم تفصیلات جامعۃ الصالحات کی موجودہ پرنسپل محترمہ حمیدہ بانو صاحبہ نے فراہم کی ہیں، راقم ان کا مشکور ہے۔ راقم کے شکریے کے مستحق جامعۃ الصالحات کے شیخ الحدیث مولانا عبدالخالق ندوی صاحب بھی ہیں جنھوں نے مختلف قسم کی رہنمائی کی۔ قابل ذکر ہے کہ موصوف ۱۹۹۲ء سے اس ادارے میں علم حدیث اور علم فقہ کی تدریس پر فائز ہیں۔ صحاح ستہ پر ان کی گہری نظر ہے۔ جامعۃ الصالحات کی بچیوں کے لیے اصولِ حدیث اور عربی قواعد پر ریڈر تیار کر چکے ہیں۔ وہ کلاسیز کے علاوہ دروس قرآن اور مطالعہ حدیث کے لیے وقت نکالتے ہیں اور شعبہ اعلیٰ کی طالبات ان سے علمی استفادہ کرتی ہیں۔ موصوف کو عہد وسطیٰ کے مسلم ادیان وفرق پر اختصاص حاصل ہے۔ یوٹیوب چینل کے ذریعہ علم دین کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں۔

۴۔ قابل ذکر ہے کہ بانی جامعۃ الصالحات مولانا محمد عبدالحی نے مولانا مودودی کے ''ترجمہ قرآن'' کو ہندی زبان میں ترجمہ کروا کر شائع کرنے کے لیے مولانا محمد فاروق خاں حفظہ اللہ سے خصوصی تعاون لیا، اور پہلی بار اسے طبع کروایا۔ تفصیل کے لیے رجوع کریں کتابِ راقم: جماعت اسلامی کے فضلاء کی قرآنی خدمات، میں عنوان: مولانا محمد فاروق خاں کی قرآنی خدمات، زیر اہتمام پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن، ۲۰۱۹ء

۵۔ مقالہ کی تیاری کے دوران تدریسی وغیر تدریسی امور میں عزیزہ صالحہ امۃ السلام صالحاتی (نوادہ، فراغت: ۲۰۲۱) نے بعض اہم معلومات فراہم کیں، راقم ان کا مشکور ہے۔ اور علمی دنیا میں قائدانہ کردار ادا کرنے کے لیے دعا گو بھی۔

۶۔ ایک سروے رپورٹ، ہندوستان کے اہم مدارس، محولہ بالا، تقریظ، ص ۶

❖❖❖

مضمون نگاران اور قارئین کی توجہ کے لیے

بعض تکنیکی پیچیدگیوں کے سبب جریدہ حیات نو کا ایمیل ایڈریس تبدیل ہو گیا ہے۔ نیا ایمیل ایڈریس یہ ہے:

hayatenau1978@gmail.com

اگر کسی نے ماضی قریب میں جریدے کے پرانے ایمیل ایڈریس

jareedahayatenau@gmail.com

یا ادارہ کے کسی سابق یا حالیہ رکن کے ذاتی ایمیل پر کوئی تحریر روانہ کی ہو، ان سے اسے دوبارہ جریدے کے اس نئے ایمیل ایڈریس پر بھیجنے کی گزارش کی جاتی ہے۔ ترجیحاً جریدے میں وہی تحریریں شامل اشاعت ہوں گی جو مندرجہ بالا ایمیل پر بھیجی گئی ہوں گی۔

انجمن طالبات قدیم جامعۃ الفلاح کا ساتواں اجلاس عام ان شاء اللہ تعالیٰ ۶ تا ۸ نومبر ۲۰۲۲، اتوار تا منگل، منعقد ہوگا۔

مزید تفصیل آخری صفحہ پر ملاحظہ کیجیے۔

❖❖❖

والدین کے حقوق

ڈاکٹر ابوعبداللہ فلاحی

ہمارے اس وجود کے دو اہم کردار ہیں: ایک تو ہمارا خالق حقیقی ہے جس نے ہمیں عدم سے وجود بخشا اور زندہ رہنے کے لیے زندگی کے سارے اسباب وافر مقدار میں فراہم کیے، دوسرا اہم کردار والدین ہیں، وہ ہمارے اس وجود کا ظاہری سبب ہیں، ہم ان کی بے لوث خدمت اور محبت وشفقت کے مرہون منت ہیں، ان کی وجہ سے ہم زندہ ہیں، ماں نے کمزوری در کمزوری کے ساتھ نو مہینے تک اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھا، اس کا خون ہماری غذا رہی، پیدا ہونے کے بعد دو سال تک اس کی چھاتی سے چمٹے رہے، اس نے اپنے آپ کو کمزوری کی طرف ڈھکیل کر ہم کو مضبوط وتوانا کیا، ان کی انگلیاں پکڑ کر ہم نے چلنا سیکھا، ہماری تعلیم وتربیت کا بند وبست کیا، کھانے پینے، اوڑھنے پہننے کا انتظام کیا، ہمارے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھا، ہر طرح سے ہماری حفاظت فرمائی اور ہم دیکھتے ہی دیکھتے جوان وتوانا ہو گئے۔

لیکن یہ بات مشاہدہ میں آتی ہے کہ جب والدین اس عمر کو پہونچ جاتے ہیں جس میں وہ بچے کی طرح اپنے بچوں کے محتاج ہوتے ہیں تو یہی بچے ان کے کام نہیں آتے ہیں ان کو ستاتے ہیں، ان کے ساتھ بدسلوکیاں کرتے ہیں، کبھی کبھی اولڈ ہاؤس ان کا مقدر بن جاتا ہے، اولڈ ایج ہاؤس غیروں کی ثقافت کا حصہ تو ہوسکتا ہے لیکن اسلامی ثقافت کا اس سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا فرض عین ہے، یعنی یہ کہ ہر شخص پر فرداً فرداً فرض ہے، بدسلوکی حرام اور گناہ کبیرہ ہے، احسان کرنے والا اجر پائے گا اور بدسلوکی کرنے والا سزا پائے گا۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر مختلف اسلوب میں ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پچھلی امتوں کے تعلق سے یہ ملتا ہے ان سے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا پختہ وعدہ لیا گیا تھا اور کہیں پر یہ تک حکم دیا گیا ہے کہ والدین گرچہ مشرک ہوں، اور اولاد کو شرک کرنے پر دباؤ ڈال رہے ہوں تب بھی ان کے ساتھ اس دنیا میں نیک برتاؤ کرنا ہے۔

سورہ النساء آیت ۳۶ میں ارشاد باری تعالی ہے: وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا – اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

سورہ البقرہ آیت ۸۳ میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا – یاد کرو، بنی اسرائیل سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

سورہ الاسراء آیت ۲۳ – ۲۴ میں قدرے تفصیل کے ساتھ والدین کے ساتھ احسان کا ذکر فرمایا ہے: وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا – ترے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی، والدین کے نیک سلوک کرو، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہونچیں تو انہیں اف تک نہ کہو نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو، اور نرمی ورحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو، اور دعا کیا کرو کہ پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا ہے۔

سورہ الاحقاف آیت ۱۵ میں فرمایا ہے: وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ۔ ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے، اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔

ان تمام آیتوں میں اللہ تعالی نے مطالبہ کیا ہے کہ والدین کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا جائے۔ اس احسان کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مودودی تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں: نیک سلوک میں ادب، تعظیم، اطاعت، رضا جوئی، خدمت سب داخل ہے۔

والدین کے ساتھ احسان کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔ بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: تین آدمی راستہ چل رہے تھے

کہ اچانک بارش ہونے لگی، بارش سے بچنے کے لیے ایک غار میں پناہ لی۔ اچانک اوپر سے ایک پتھر کا ٹکڑا گرا اور غار کا منھ بند ہو گیا۔ ان لوگوں نے پریشانی کے عالم میں ایک دوسرے سے کہا کہ اپنے اپنے ان اعمال پر نظر دوڑاؤ جو تم نے خالص اللہ کے لیے کیے ہوں اور اس کے ذریعہ اللہ سے دعا کرو، شاید کہ وہ ہمیں اس مصیبت سے نجات بخشے۔ اس پر ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے نیک عمل کے ذریعہ اللہ سے دعا کی اور بالآخر ان کو وہاں سے نجات ملی۔ ان میں سے پہلے شخص کی دعا یہ تھی اور وہی موضع استشہاد ہے:

"اے میرے اللہ! میرے بوڑھے والدین، اور بیوی بچے تھے میں ان کے لیے بکریاں چراتا، واپسی پر ان بکریوں کا دودھ نکالتا اور سب سے پہلے اپنے والدین کو پلاتا، ایک دن میں چارے پانی کی تلاش میں کافی دور نکل گیا، رات گئے واپس آیا تو دیکھا کہ والدین گہری نیند سو چکے ہیں، حسب عادت دودھ دوہا، اور دودھ کا پیالہ لیے والدین کے سرہانے کھڑا رہا، مجھے یہ نا گوار تھا کہ میں انہیں نیند سے بیدار کروں اور یہ بھی نا گوار تھا کہ ان سے پہلے بیوی بچوں کو دودھ پیش کروں، بچوں کا یہ حال تھا کہ وہ بھوک سے بلک رہے تھے، اور یہ کیفیت باقی رہی یہاں تک کہ فجر طلوع ہو گئی۔ اے اللہ اگر تیرے علم میں یہ بات ہے کہ میں نے یہ کام تیری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا تھا تو میری دعا سن لے اور اس غار کا منھ تھوڑا سا کھول دے کہ ہم آسمان کا نظارہ کر سکیں، یہ دعا کرنی تھی کہ غار کا منھ کچھ کھلا اور ان لوگوں نے آسمان کا نظارہ کیا۔

دوسرا قصہ یہ ہے کہ حضرت ابو بردہ اسلمی روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا اور ایک یمانی آدمی پیٹھ پر اپنی بوڑھی ماں کو اٹھائے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا اور یہ گنگنا رہا تھا: میں تو اس کی سدھائی ہوئی سواری ہوں اگر وہ کسی جانور پر سوار ہوتی تو ہو سکتا ہے وہ بدک جائے لیکن میں نہیں بدکوں گا۔

پھر اس شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ کی کیا رائے ہے، میں نے اپنی ماں کا حق ادا کیا؟ اس پر انھوں نے فرمایا: نہیں، اس کی ایک چیخ کا بھی تو نے حق ادا نہیں کیا۔

اس روایت کو امام بخاری نے الادب المفرد میں ذکر کیا ہے اور علامہ البانی نے اسے صحیح بتایا ہے[1]۔

والدین کے ساتھ احسان میں یہ بات شامل ہے کہ والدین کے ساتھ شکر گزاری کا رویہ اختیار کیا جائے،

[1] صحیح الأدب المفرد، ص36

سورہ لقمان آیت ۱۴ میں اللہ تعالی نے والدین کے حق میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ

اور ہم نے انسان کو نصیحت کی ہے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے کہ میرا شکر ادا کر اور والدین کا بھی، میری ہی طرف پلٹنا ہے۔

والدین کا شکر جہاں زبان سے ادا کرنا ہے وہیں پر ان کا شکر دل اور اعضاء وجوارح سے بھی ادا کرنا ہے۔ دل سے شکر ادا کرنے کا مطلب یہ ہے والدین کی صحیح معرفت ہو، دل میں ان کی قدر ومنزلت ہو، اعضاء وجوارح سے شکر ادا کرنا یہ ہے کہ ان کی طاعت کی جائے، ان کی خدمت کی جائے، اور ان کو سہارا دیا جائے۔[1]

آخری جملہ: میری ہی طرف پلٹنا ہے اس نصیحت پر عمل کو یقینی بنانے کے لیے فرمایا ہے۔ ہر شخص کو یہ معلوم رہنا چاہیے کہ ہر ایک کو اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے اور اس دنیا میں کئے گئے اعمال کے تئیں جوابدہ ہونا ہے۔

حضرت ابن عباس اور مقاتل آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں: **إليّ المَرْجِعُ والمُنْقَلَبُ فأَجْزِيكَ بِعَمَلِكَ**— میری ہی طرف پلٹنا ہے پس میں تمہارے عمل کا بدلہ دوں گا۔[2]

اس آیت اور سورہ الاحقاف کی آیت میں ماں کے پہلو کو ابھار کر پیش کیا گیا ہے ایسا اس لیے ہے کہ ماں کا احسان باپ کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول نے ایک متفق علیہ حدیث میں ماں کے حق کو باپ کے مقابلے تین گنا زیادہ بتایا ہے۔[3]

والدین کے ساتھ احسان کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ان پر اپنا مال خرچ کیا جائے، ان کی ضروریات پوری کی جائیں، سورۃ البقرۃ ۲۱۵ میں ارشاد ہے: **يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلْ مَآ**

---

[1] الأساس في التفسير 8/4330

[2] التفسير البسيط 18/105

[3] صحیح البخاری 8/2، صحیح مسلم 4/1974 من روایۃ أبی ہریرۃ

اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں، جواب دو کہ جو مال بھی خرچ اپنے والدین پر، رشتے داروں پر، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو، اور جو بھلائی بھی تم کرو گے اللہ اس سے باخبر ہوگا۔

بلکہ اللہ کے رسول نے ایک شخص سے جو کہ اپنے والد کی یہ شکایت کرنے آیا تھا کہ وہ اس کا مال لے لیتے ہیں، فرمایا کہ تو اور تیرا مال تیرے والد کے لیے ہے۔[1] اس حدیث کی روایت حضرت جابر بن عبداللہ کی ہے اور صحیح ہے۔[2]

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ والدین اگر مالی اعتبار سے کمزور ہیں تو ان کا نفقہ بچوں پر فرض ہے۔ بچے اپنا مال ان پر خرچ کریں گے اور اگر خرچ نہیں کریں تو ان سے وصول کیا جائے گا جس طرح دوسرے حقوق جیسے زکات یا صدقہ فطر وغیرہ وصول کیے جاتے ہیں۔[3]

البتہ اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ دوسروں پر خرچ کرنے کے لیے ان کا مال لیں۔ اس کا اشارہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ملتا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے إنّ أَطْيَبَ مَا أَكَلْتُمْ مِن كَسْبِكُم وإنَّ أولادَكُم مِنْ كَسْبِكم[4]۔ بہترین چیز جو تم نے کھائی وہ تمہاری کمائی ہے اور تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن بتایا ہے۔

احسان میں یہ بات بھی شامل ہے والدین کی فرمانبرداری کی جائے اور نافرمانی سے پرہیز کیا جائے قرآن کریم اور حدیث نبوی میں ان کی نافرمانی کو حرام اور گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ 391 /3، المعجم الأوسط 4/31 من روایۃ جابر بن عبداللہ، مسند أحمد 6/385 من روایۃ عبداللہ بن عمرو بن العاص

[2] الجوہر النقی 7/481، بیان الوہم والإیہام 103 – 5/102

[3] الإقناع فی مسائل الإجماع 56 /2، المعاملات المالیۃ أصالۃ ومعاصرۃ 638 /18

[4] سنن أبی داود 289 /3، سنن الترمذی 631 /3، سنن ابن ماجہ 768 /2، مسند أحمد 262 /11، صحیح ابن حبان /10 (72، المستدرک علی الصحیحین للحاکم 53 /2 المعجم الأوسط 380 /4

معجم الطبرانی میں حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے: أن رجلا قال یا رسول الله، علمنی عملا إذا ما عملته دخلت الجنة، قال لا تشرك بالله شيئا وإن حرقت، وأطع والديك وإن أخرجاك من مالك۔

ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ، آپ مجھے ایسا عمل بتائیں جس کو کر کے میں جنت میں داخل ہو جاؤں، آپ نے جواباً عرض فرمایا: اللہ کی ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کرنا گرچہ تمہیں جلا دیا جائے، اپنے والدین کی اطاعت کرنا گرچہ وہ تمہیں تمہارے مال سے بے دخل کر دیں۔

سورہ الانعام آیت ۱۵۱ میں ارشاد فرمایا ہے: قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـًٔـا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ۚ

اے محمد! ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا کیا حرام کیا ہے: یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو [بدسلوکی نہ کرو]۔

بخاری اور مسلم میں حضرت ابوبکرہ کی روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ألا أنبئكم بأكبر الكبائر؟ قلنا بلى يا رسول الله! قال الإشراك بالله، وعقوق الوالدين— کیا میں تمہیں بڑے بڑے گناہ نہ بتاؤں؟ ہم نے کہا: ہاں ضرور اے اللہ کے رسول ﷺ، انہوں نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اور والدین کی نافرمانی کرنا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے، کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے دس باتوں کی نصیحت فرمائی، ان میں پہلی بات یہ تھی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا گرچہ تمہیں قتل کر دیا جائے اور جلا دیا جائے اور دوسری بات یہ تھی کہ والدین کی نافرمانی نہ کرنا گرچہ وہ تمہیں تمہاری بیوی اور مال سے الگ کر دیں۔

البتہ معصیت میں ان کی اطاعت نہیں ہے، سورہ العنکبوت آیت ۸ میں اللہ تعالی نے والدین کے ساتھ نیک سلوک کی ہدایت کے ساتھ یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ معصیت کے کاموں میں ان کی اطاعت نہیں کرنی ہے، ارشاد ہے وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ حُسۡنًا ؕ وَاِنۡ جَاهَدٰكَ لِتُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا ؕ

اس آیت کے شان نزول میں امام مسلم نے سعد بن ابی وقاص کی حدیث روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میرے بارے میں کئی آیتیں نازل ہوئی ہیں، وہ کہتے ہیں: میری ماں نے قسم کھائی کہ وہ اس سے بات نہیں کرے گی یہاں تک کہ وہ اپنے دین اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف آجائے، کچھ کھاتی نہ کچھ پیتی، اس نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ نے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی وصیت کی ہے، میں تمہاری ماں ہوں اور تمہیں اس کا حکم دیتی ہوں، وہ کہتے ہیں کہ وہ تین دن تک اسی کیفیت میں رہی یہاں تک اس پر غشی طاری ہوگئی، اس کا ایک بیٹا جس کا نام عمارہ تھا اٹھا اور پانی پلایا، پھر وہ اس کے بعد سے اس کو بد دعائیں دیتی رہی، اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔[1]

والدین کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ ان باتوں سے لگایا جاسکتا ہے:

۱— خالق حقیقی کے حق کے بعد والدین کا حق سب پر مقدم ہے جیسا کہ اوپر کی آیات اور احادیث نبویہ میں ہم نے دیکھا ہے کہ بار بار اللہ تعالی نے اپنے حق کے بعد والدین کے حق کا ذکر فرمایا ہے، اور اپنی نافرمانی کی حرمت کے بعد ان کی نافرمانی کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

مالک حقیقی کی حق تلفی کرنا جس طرح حرام اور گناہ کبیرہ ہے ٹھیک اسی طرح والدین کے ساتھ ناروا سلوک کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور کئی مقامات پر خدا کی حق تلفی کے بعد والدین کی حق تلفی کا ذکر آیا ہے۔

مولانا مودودی علیہ الرحمہ تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں کہ" والدین کے اس حق کو قرآن میں ہر جگہ توحید کے حکم کے بعد بیان فرمایا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کے بعد بندوں کے حقوق میں سب سے مقدم حق انسان پر اس کے والدین کا ہے"۔

۲— والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا اللہ تعالی کے نزدیک محبوب ترین اور پسندیدہ اعمال میں سے ہے۔

بخاری اور مسلم میں عبد اللہ بن مسعود کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں: **سألت رسول الله ﷺ عن أي العمل أحبُّ إلى الله؟ قال "الصلاة على وقتها"، قال ثم أي؟ قال ثم بر الوالدين" قال ثم أي؟ قال الجهاد في سبيل الله.** میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالی کے نزدیک کون سا

[1] صحیح مسلم 4/ 1877

عمل سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: وقت پر نماز ادا کرنا، انھوں نے کہا اس کے بعد کون سا عمل ہے؟، تو آپ نے فرمایا: والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا، انھوں نے کہا پھر کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے۔

۳– شریعت میں والدین کے حقوق کی ادائیگی کو دیگر فرض کفایہ اور نفلی عبادات پر مقدم رکھا گیا ہے۔

بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں جاء رجل إلى النبي ﷺ، فاستأذنه في الجهاد، فقال أحي والداك؟، قال نعم، قال ففيهما فجاهد[1] – ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور جہاد میں شریک ہونے کی اجازت چاہی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے والدین زندہ ہیں، اس نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں کے ساتھ رہ کر جہاد کرو.

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ والدین کا حق جہاد جیسی چوٹی کی عبادت پر مقدم ہے لیکن یہ مطلق نہیں ہے، دوسری دلیلیں بتاتی ہیں کہ اس صورت میں مقدم ہے جب والدین کی حاجت کو پورا کرنے والا کوئی دوسرا موجود نہ ہو کیونکہ ایسی صورت میں ان کا حق فرض عین ہے الاّ یہ کہ اس شخص کا جہاد میں جانا ضرورت بن جائے، فرض عین بن جائے اور اگر کوئی دوسرا شخص موجود ہے اور وہ ان کی حاجت کو پورا کرسکتا ہو تو مصلحت کو پیش نظر رکھے۔[2]

جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ جب والدین دونوں یا دونوں میں ایک جہاد میں جانے سے منع کردیں تو جہاد میں نکلنا حرام ہے بشرطیکہ وہ مسلم ہوں کیونکہ ان کی خدمت فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ، البتہ اس صورت میں حرام نہیں ہوگا جبکہ اس پر جہاد فرض ہوجائے۔[3]

عبد اللہ بن عمرو نے روایت کیا ہے کہتے ہیں: جاء رجل، فقال يا رسول الله، إني أريد أن أبايعك على الهجرة، وتركت أبوي يبكيان، فقال ارجع إليهما، فأضحكهما كما

---

[1] صحیح البخاری 4/ 59، صحیح مسلم 4/ 1975

[2] فتح ذی الجلال والإکرام بشرح بلوغ المرام 5/ 445

[3] فتح المنعم شرح صحیح مسلم 1/ 277

أبكيتهما [1]۔ ایک شخص آیا اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ: میں آپ کے ہاتھ پر ہجرت کی بیعت لینا چاہتا ہوں اور والدین کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں، تو آپ ﷺ نے کہا تو ان کے پاس واپس جا اور ان کو ہنسا جس طرح ان کو رلایا ہے۔ حاکم صاحب مستدرک اور علامہ البانی رحمہا اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

۴۔ جو والدین کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں ان کی دعائیں رد نہیں ہوتی ہیں، اللہ تعالی مصائب و مشکلات میں ان کی ایسی مدد فرماتا ہے جس کا ہم گمان نہیں کر سکتے جیسا کہ ہم نے اوپر کے پہلے واقعہ میں دیکھا ہے۔

۵۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے والے جنت کے حقدار ہیں وہ شخص بڑا بدنصیب ہے جو والدین کی خدمت نہ کر کے جنت سے محروم جائے۔

امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: رغم أنفه، ثم رغم أنفه، ثم رغم أنفه، قيل من؟ يا رسول الله قال من أدرك والديه عند الكبر، أحدهما أو كليهما، ثم لم يدخل الجنة [2]۔ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، اس شخص کی ناک خاک آلود ہو یعنی ذلیل ورسوا ہو، کہا گیا اے اللہ کے رسول وہ کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: واپنے والدین میں سے دونوں یا ایک کو بڑھاپے کی عمر میں پائے اور پھر وہ ان کی خدمت کر کے (جنت) میں داخل نہ ہو سکے۔

ابوہریرہ سے ہی دوسری روایت ہے: أن رسول الله ﷺ رقي المنبر فقال آمين آمين آمين، فقيل له يا رسول الله ما كنت تصنع هذا؟ فقال قال لي جبريل رغم أنف عبد دخل عليه رمضان لم يغفر له، فقلت آمين، ثم قال رغم أنف عبد أدرك أبويه أو أحدهما لم يدخلاه الجنة فقلت آمين ثم قال رغم أنف عبد ذكرت عنده فلم يصل عليك

[1] سنن ابن ماجہ 72 /4، مسند احمد (44 /6) ، صحیح ابن حبان 163 /2، المستدرک علی الصحیحین للحاکم 168 /4، الآدب المفرد 3/213

[2] صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب رغم أنف من أدرک أبویہ أو أحدہما عند الکبر، حدیث: 4734

فقلت آمین۔

آپ ﷺ نے منبر پر چڑھتے ہوئے تین مرتبہ آمین کہا، لوگوں نے پوچھا آپ تو ایسا نہیں کرتے تھے (ایسا کیوں کیا ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جبریل امین نے کہا کہ اس بندہ کی ناک خاک آلود ہو جس نے رمضان پایا اور اپنی مغفرت نہیں کرا سکا، تو میں اس پر آمین کہا، پھر انہوں نے یہ کہا اس بندے کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے والدین کو پایا اور وہ دونوں اسے جنت داخل نہ کرا سکے تو میں اس پر دوسری بار آمین کہا، پھر انہوں نے کہا: اس بندے کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا (یعنی نبی ﷺ) کا ذکر ہو اور مجھ پر درود نہ بھیجے، تو اس پر میں نے آمین کہا۔ علامہ البانی نے اس حدیث کو حسن بتایا ہے۔[1]

اس دعا کی قبولیت میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے جسے مقرب ترین فرشتہ حضرت جبریل امین علیہ السلام کریں اور اس پر وقت کے آخری برگزیدہ رسول حضرت محمد ﷺ آمین کہا۔

ابوعبد الرحمن السلمی نے روایت کیا ہے: "**أن رجلا أتى أبا الدرداء، فقال إن أبي لم يزل بي حتى تزوجت، وإنه الآن يأمرني بطلاقها. قال ما أنا بالذي آمرك أن تعق والدك، ولا أنا بالذي آمرك أن تطلق امرأتك، غير أنك إن شئت، حدثتك ما سمعت من رسول الله ﷺ، سمعته يقول الوالد أوسط أبواب الجنة، فحافظ على ذلك إن شئت، أو دع. قال فأحسب عطاء، قال فطلقها.**"[2]

ایک شخص حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے والد میرے ساتھ برابر لگے رہے یہاں تک کہ میں نے شادی کر لی، اور اب وہ اس کو طلاق دینے کے لیے کہہ رہے ہیں تو اس پر ابوالدرداء نے کہا کہ میں تمہیں والد کی نافرمانی کا حکم دوں گا نہ یہ کہوں گا تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو، البتہ اگر تم چاہو تو میں تم کو وہ کچھ سنا دوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ والد جنت کے دروازوں میں سب سے اچھا دروازہ ہے تو چاہو تو تم اس کی حفاظت کرو یا پھر اسے چھوڑ دوں، راوی کہتے ہیں میرا گمان ہے کہ عطاء [اس حدیث کے راوی] نے کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو

---

[1] تحقیق فضل الصلاۃ علی النبی ص:32

[2] صحیح ابن حبان 168 /2

طلاق دے دی۔ اس روایت کو حاکم، ذہبی اور علامہ البانی نے صحیح بتایا ہے۔ [۱]

بعض روایتوں میں والد کے بجائے والدہ کا ذکر آیا ہے یعنی اس کی والدہ نے شادی کرنے پر اصرار کیا اور پھر طلاق دینے کے لیے کہا اور پھر ابوالدرداء نے وہ جواب دیا۔ [۲] بعض روایت میں ہے کہ والد یا والدہ یا دونوں نے ایسا کہا اور ابوالدرداء نے جواب دیا [۳] اور ابن ماجہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ راوی کا شک ہے۔ [۴]

۶ — والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا اللہ کے نزدیک قابل تعریف اور لائق ستائش ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورہ مریم آیتِ ۱۳، ۱۴ میں فرمایا کہ وہ پرہیز گار اور اپنے والدین کا فرمانبردار تھا، وہ جبار نہ تھا اور نہ نافرمان۔

۷ — والدین کی خدمت کرنے کی توفیق اگر کسی کو مل جائے تو یہ بہت بڑی نعمت ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اوپر خدا کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’اس نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی، نبی بنایا، اور بابرکت کیا جہاں بھی رہوں اور نماز اور زکاۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں، اور اپنی ماں کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھے جبار و شقی نہیں بنایا۔‘ (مریم ۳۱—۳۲)

❖❖❖

---

[۱] السلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ 2/ 583

[۲] سنن الترمذی 4/311، شرح مشکل الآثار 3/ (417، شعب الإیمان (10/260، المستدرک (2/ 215، مسند أحمد (36/ 57

[۳] مسند أحمد (36/ 49

[۴] فی روایۃ سنن ابن ماجہ: (1/675 عن أبی عبدالرحمن، أن رجلا أمرہ أبوہ أو أمہ - شک شعبۃ - أن یطلق امرأتہ

جانے والے تیری عظمت کو سلام

(بیادِ استاذِ محترم پروفیسر غفران احمد فلاحی)

ڈاکٹر فیصل اقبال فلاحی

وبا کی لہروں میں کتنے نگینے روپوش ہوگئے اور سکون و قرار کی کتنی ہستیاں خاک ہوگئیں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ استاذِ محترم پروفیسر غفران صاحب کی رحلت کو تقریباً ایک سال کا عرصہ گذر گیا ۳۰/اپریل ۲۰۲۲ء کی صبح کی وہ دل دوز خبر جس نے ذہن و دل کو شل کر دیا تھا اور آج بھی دل حزیں تڑپتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی چمن تھا جو اجڑ گیا، کوئی سائبان تھا جو چھن گیا، کوئی شجر سایہ دار تھا جو خزاں کی نذر ہوگیا، کوئی متاع عزیز تھی جو لٹ گئی۔ دل بے قرار کو قرار آتا ہے تو اس بات پر کی یہی مشیت ایزدی تھی۔

چشم نمناک میں ایک تصویر ابھرتی ہے اور پردہ تصور پہ بے شمار مرقعے آویزاں ہوجاتے ہیں، ان کی شفقت و محبت کے یادگار لمحات اور اخلاق و کردار کی بلندی کے حسین نمونے نایاب نہ سہی کمیاب ضرور ہیں۔ ان کے علمی تفوق اور اعلیٰ ظرفی وانکساری کی بیلوث قربانیوں کی متحرک تصویریں گردش کرنے لگتی ہیں۔

این آئی یو ایم بنگلور کی پر فضا وادیوں میں جعفری صاحب ڈائریکٹر ہوا کرتے تھے۔ این آئی یو ایم کے درو دیوار ڈائریکٹر کے صوتِ آہن سے لرزتے تھے، ذمہ داریوں کا بار تھا کہ پیشانی پر سلوٹیں، چہرے پہ رعب، آنکھوں میں جلال اور زبان پر بجلیاں کوندتی تھیں۔ بادلوں کی گھن گرج اور دبدبہ کی تمازت تھی یا ایک طوفان تھا جو پھرا کرتا تھا۔ ہر شخص سہما سا تھا جیسے اپنی جمع پونجی سنبھالے ہوئے کہ کہیں طوفان کی نذر نہ ہوجائے۔ اسی دوران طلبہ نے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا محسوس کیا جب استاذ محترم غفران صاحب مرحوم بنگلور میں بحیثیت پروفیسر تشریف لائے کچھ دنوں کے بعد ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے تو منظر نامہ تبدیل ہوگیا پھر لوگوں نے ڈائریکٹر صاحب کے لبوں پہ مسکان دیکھی تھی پیشانی کی سلوٹیں اب طمانیت میں بدل چکی تھیں۔

ڈپٹی ڈائریکٹر نے ذمہ داریوں کا بار گراں اپنے سر لے لیا تھا۔ فرحت بخش ہوائیں ادارے کے در و دیوار سے اٹھکھیلیاں کرنے لگی تھیں۔ ایک طرف انتظامی ذمہ داری کو انھوں نے بحسن وخوبی نبھایا تو دوسری

طرف طلبہ سے بے پناہ شفقت و محبت فرمائی بڑا توازن تھا دونوں میں۔ ہم طلبہ کے ساتھ کھیل میں شریک ہوتے ہمیں حوصلہ دیتے لیکن کیا مجال کہ اصولی اور انتظامی چیزوں میں کوئی بے جا رعایت ہو ایسا شاندار ایڈمنسٹریشن میں نے اس وقت تک نہیں دیکھا تھا۔ اس دور کے طلبہ اس بات کی شہادت دیں گے کہ ایک ایڈمنسٹریٹر بھی لوگوں کے دلوں پہ راج کر سکتا ہے شرط یہ ہے کہ وہ اسی طرح غیر معمولی صلاحیت، ذہانت اور متانت کا حامل ہو۔ طلبہ اور ادارے کی خیر خواہی، خدمت اور خلوص کے جذبے سے سرشار ہو۔ کچھ کر گذرنے کے لیے کوشاں ہو۔ منصب، شہرت، عہدوں کے حصول کے بعد اگر فرد اپنی نگاہوں میں ہی اپنے آپ کو بلند کر لے تو لوگوں کی نگاہوں میں اس کا وقار گھٹ جاتا ہے لیکن اگر وہ اپنی نگاہوں میں خود کو کمتر جانے تو لوگوں کی نگاہوں میں اس کا قد بہت بلند ہو جاتا ہے۔ یہ دعا اسی لیے سکھائی گئی ہے کہ یا اللہ مجھے میری نگاہوں میں چھوٹا کر دے اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا کر دے۔ دراصل یہی عظمت و بلندی کی کسوٹی اور معیار ہے یہی وہ آئینہ ہے جس میں ہم اپنی تصویر کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ ہم اپنی نگاہوں میں جتنے بلند ہیں لوگوں کی نگاہوں میں اتنے ہی چھوٹے ہیں۔ بلند اخلاق، بلند پروازی خلوص اور انکساری نے آپ کا مرتبہ اور مقام بہت بڑھا دیا تھا۔

منصب کی ذمہ داریوں کے باوجود لکچر کا وہی اعلیٰ معیار ہوتا جنرل ڈسکشن اور پریزنٹیشن میں بھی موجود ہوتے اور آپ کا conclusive remark اتنا پرقوت اور ذہنی سطح کو بلند کرنے والا ہوتا کہ طلبہ عش عش کر اٹھتے۔ یہی موقع تھا جب ان کو قریب سے دیکھنے اور استفادے کا موقع ملا۔ دوران لیکچر وہ طلبہ کی علمی پیاس بجھاتے انہیں علمی افق کی سیر کراتے۔ نئے نکات اس طرح پیش کرتے کہ فہم کو جلا ملتی۔ سوچنے اور سمجھنے کے نئے زاویے کھلتے، مضمون کے ان نکات کو جنہیں ہم نے درخور اعتنا نہ سمجھا تھا اس کی اس طرح سائنٹیفک توجیہ پیش کرتے کہ ذہن کے دریچے وا ہو جاتے۔ ایک طرف سائنٹیفک اپروچ دوسری طرف ادب میں بھی کمال حاصل تھا۔ اردو اور انگریزی ادب کے شاہکار سے واقفیت رکھتے تھے نیز ادب اور سائنس کا حسین امتزاج بھی رکھتے تھے۔

شاگردان رشید ان سے اپنی اپنی وسعت دامانی کے بقدر جھولی بھرتے کوئی اپنی علمی پیاس بجھاتا کوئی اپنے اپنے مسئلے کا حل پوچھتا کوئی مشورہ کا طلبگار ہوتا اور ہر شاگرد یہ سمجھتا کی شاید میں سب سے زیادہ سر سے

جانے والے تیری عظمت کو سلام

قریب ہوں اور یہی وہ عظیم ادا اور صفت ہے جس پہ قربان ہونے کو دل کرتا ہے۔

میرے کلاس فیلو ڈاکٹر شبیر احمد پرے کی تھیسیس کا موضوع ''قلب پہ سداب کی تاثیر'' سے متعلق تھا۔ ہم طلبہ اینیمل ہاؤس میں خرگوش کو قربان کر کے اس کے قلب پہ اسٹڈی کے لیے سر کی سرپرستی میں مجتمع تھے۔ سر نے خرگوش کے سینے کو چاک کر کے دل تک رسائی حاصل کی ہی تھی کہ محترمہ نجیب میڈم نے خواہش ظاہر کی کہ آگے کی کارروائی ان کے ہاتھ سے انجام پائے۔ سر نے انسٹرومنٹ ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔ میڈم نے اپنا موبائل دوسری ٹیبل پہ رکھا نشتر ہاتھ میں لیا اور قلب خرگوش کو اس کے بدن سے علیحدہ کرنے میں مصروف ہوگئیں۔ اسی اثنا میں نجیب میڈم کا فون بجنے لگا۔ میڈم کے شوہر وقار صاحب کا فون تھا۔ غفران سر نے بے ساختہ کسی طالب علم سے کہا کہ فون اٹھا کے کہہ دو کہ میڈم دل پہ نشتر چلا رہی ہیں۔ بس کیا تھا ایک جملہ نے لیب کے اس خشک منظر کو گل و گلزار بنا دیا۔ بحیثیت استاذ آپ ایک عدیم النظیر استاذ تھے۔ منفرد، محبوب اور ہر دلعزیز۔

آپ اپنے اساتذہ کرام کی بے حد تعظیم فرماتے۔ جامعۃ الفلاح سے کسی استاذ کی آمد علی گڑھ ہوتی تو بے حد تپاک اور خلوص سے ملتے۔ آپ کے استاذ پروفیسر یوسف امین صاحب (ریٹائرڈ علم الادویہ ڈیپارٹمنٹ فیکلٹی آف یونانی میڈیسن اے ایم یو علی گڑھ) یونیورسٹی کے موقر اساتذہ میں جن کا شمار ہوتا ہے (اللہ تعالیٰ ان کی عمر صحت وعافیت کے ساتھ دراز فرمائے) احترام وشفقت کا بڑا بے مثال رشتہ تھا آپ دونوں میں۔ پروفیسر غفران صاحب اپنے استاذِ محترم سے فون پہ بھی گفتگو فرماتے تو احتراماً کھڑے ہو جاتے یوں لگتا جیسے استاذ محترم سامنے موجود ہوں۔ کتنا دلکش منظر ہے یہ استاذ بھی اپنے شاگر دِ رشید سے بے پناہ شفقت فرماتے اور اس بات کا ذکر کرنا چاہوں گا جس سے موصوف کی تحریر کی دلکشی اور معیار کا اندازہ قارئین کو ہوگا کہ پروفیسر یوسف امین صاحب نے موصوف کی کئی تحریروں کے بارے میں کہا کہ کاش یہ میری تحریر ہوتی تو میں اسے فخر سے بیان کرتا۔ یہ کتنا بڑا اعزاز ہے ایک شاگرد کے لیے ''یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا''۔ سی سی آر یو ایم نے اگر آپ کو Best Teachers Award اور Lifetime Achievement Award سے نوازا تھا تو استاذِ محترم کی شخصیت نے ان ایوارڈس کے وقار میں اضافہ ہی کیا۔ یوں تو ایوارڈس شخصیت کو بلند و بالا کرتے ہیں لیکن بعض عظیم شخصیات ایوارڈس کے حسن اور تمکنت میں چار چاند لگا دیتی ہیں۔ سر کی شخصیت

ایسی ہی تھی۔اس کے علاوہ بھی انھیں کئی ایوارڈس سے نوازا گیا حکیم احمداشرف میموریل ایوارڈ، بیسٹ یونانی اسکالرریسرچ ایوارڈ آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنس ایمس سے انسٹی ٹیوشنل ایوارڈ وغیرہ۔

آپ نے ریسرچ وتحقیق، طب اور طلبہ کے معیار کو کمال بلندی تک پہنچایا اور ہمیشہ اس کے لیے کوشاں رہے۔سو سے زائد آپ کے پیپرس موقر جریدہ میں شائع ہوئے۔تقریباً ۸۵ تھیسس کے سپروائزر اور کو سپروائزر رہے۔ طب کی دنیا ایسے عظیم شخص کی راہ جانے کب تک تکتی رہے گی۔طلبہ کی فریشر پارٹی میں جب میں نے سر کو اسٹیج پر دعوت دی تو یہ اشعار ان کے لیے کہے تھے۔

بیاں میں روانی ادا نغمگی
چلی آپ جو گنگناتی ہوئی
تخیل کے ہمراہ پاکیزگی
لطافت، نفاست، زکا آگہی

ان کی شخصیت ان اشعار کی مصداق تھی۔ایک طرف بلند نگاہی، بلند خیالی اور بلند مزاجی تھی دوسری طرف عاجزی، خاکساری اور متانت تھی۔

جب آپ نے بنگلور سے علی گڑھ کے لیے واپسی کا رخت سفر باندھنے کی تیاری کر لی تھی اور آپ نے الوداعی خطاب فرمایا تھا جس نے سامعین پر ایک سحر ساطاری کر دیا تھا۔سوچتا ہوں کاش اسے کسی نے ریکارڈ کر لیا ہوتا۔الفاظ نہیں، نگینے تھے، ادب کی حلاوت اور چاشنی میں گھلے ہوئے۔ پہلے تو کچھ طنز ومزاح تھا کچھ ادبی لطیفے تھے جس نے کچھ دبی دبی کچھ کھلی کھلی سی ہنسی فضا میں بکھیر دی تھی، پھر اچانک ادب نے سنجیدگی کا روپ دھار لیا، محفل میں سناٹا چھا گیا جیسے کوئی کچوکے لگا رہا ہو۔منصب اور ذمہ داریاں یاد دلا رہا ہو کہ اٹھو فن اور انسانیت کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہو جاؤ۔آپ نے انسٹیٹیوٹ کے ان لوگوں کا بھی تذکرہ کیا جو کم مشاہرہ پہ اپنی عارضی خدمات ادارہ کو دے رہے تھے، ان کے ساتھ ہمدردی شفقت اور دست تعاون دراز کرنے کی التجا کی تھی۔ پھر لوگوں نے نم آنکھوں سے انھیں رخصت کیا اور اس طرح وہ علی گڑھ لوٹ آئے۔ پھر مدتوں آپ کی یادیں، تذکرے، کارنامے اور پیغامات ادارے میں بازگشت کرتے رہے کہ ”جانے والے تیرے قدموں کے نشاں باقی ہیں۔“

(باقی صفحہ 48 پر)

القواعد الفقهية وتطبيقاتها في المذاهب الأربعة
ایک تعارف

عمار جاوید خان

القواعد الفقهية وتطبيقاتها في المذاهب الأربعة کتاب کے مصنف ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الزحیلی ہیں۔ آپ جامعہ الشارقہ میں کلیۃ الشریعہ والدراسات الاِسلامیہ کے ڈین رہے۔ کتاب دو جلدوں اور 1131 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ 2006ء میں شائع ہوئی تھی اور ناشر دار الفکر، دمشق ہے۔

قواعد فقہیہ کا علم بنیادی اسلامی علوم میں سے ایک اہم علم ہے۔خصوصاً علم فقہ میں اس کو کافی اہمیت حاصل ہے۔قواعد فقہ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ فقہ کے طالب علم کے لیے فقہ کے جزئی مسائل کو سمجھنا اور اس کا استدراک کرنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔قواعد فقہیہ کا علم عبارت ہے کچھ ایسے قاعدوں کو جاننے سے جس کے ذیل میں بہت سے باہم متشابہ مسائل اور مماثل احکام آجاتے ہیں۔ لہٰذا ان اصولوں کو سمجھ لینے کے بعد فقہ کے طالب علم کے لیے ان مسائل کو سمجھنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔

اصول فقہ کا علم مختصر عبارتوں اور جامع کلمات کا استعمال کرتے ہوئے طرح طرح کے جزئی احکام اور فروعی مسائل کو خود میں سمیٹ لیتا ہے۔

اصول فقہ کا علم کوئی نیا علم نہیں ہے بلکہ اس کی جڑیں ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں ملتی ہیں۔علم فقہ کے قدیم علماء نے بھی مختلف مسائل اور جزئیات میں قواعد فقہیہ سے استدلال کیا ہے اور ان سے مسائل کا استنباط بھی کیا ہے۔لیکن ایک عرصہ تک خاص قواعد فقہیہ کے موضوع پر کتابیں لکھنے کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔

پہلی مرتبہ قواعدفقہیہ کوایک الگ علم کی شکل میں چوتھی صدی ہجری میں مرتب کیا گیا۔اوراس پر باضابطہ کتابیں لکھنے کا بھی اہتمام کیا گیا۔اس کے بعد ساتویں صدی ہجری سے لے کر دسویں صدی ہجری تک اس علم نے خوب نشوونما پائی اوراس موضوع پر علماء وفقہاء نے خاصی کتابیں تحریر کیں۔جن میں کچھ کتابیں کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔

قواعدفقہیہ پر کتابیں تحریر کرنے والوں میں چاروں فقہی مسالک کے علماء شامل ہیں۔انہوں نے اپنے شاگردوں کی آسانی کے لیے اصول فقہ کو اپنی کتابوں میں منضبط کیا تا کہ بآسانی اس کے ذریعہ فروعی مسائل اور جزئیات کو سمجھا جاسکے۔

زیرنظر کتاب بھی قواعدفقہیہ پر لکھی گئی کتابوں میں ایک اہم ترین کتاب ہے۔مصنف کتاب اس کتاب میں پہلے ایک فقہی قاعدہ ذکر کرتے ہیں اس کے بعد اس قاعدے کی دیگر تعبیرات اگر ہوتی ہیں تو ان کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ پھر تفصیل سے اس قاعدے کے معنیٰ ومفہوم کی وضاحت کرتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیتے ہیں کہ وہ قاعدہ کن امور پر دلالت کرتا ہے۔اس کے الفاظ سے کیا مراد ہے نیز اس سے مقصود کیا ہے۔ ان تمام وضاحتوں کے بعد اس قاعدہ کے دلائل کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر ان فروعی اور جزئی مسائل کا ذکر کرتے ہیں جن پر اس قاعدے کی تطبیق ہوتی ہے اس کے بعد اس اصول کے کچھ استثناءات ہوتے ہیں تو ان کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ساتھ ہی آخر میں وہ مثالوں کے مراجع بھی ذکر کر دیتے ہیں تا کہ طالب علم کے لیے استفادہ کی راہ مزید ہموار ہو جائے۔

اس کتاب کی چند اہم ترین خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں مصنف کتاب نے چاروں ہی فقہی مسالک (حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ) کے قواعدفقہیہ کو جمع کر دیا ہے۔دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے قواعدفقہیہ کے ساتھ کثرت سے مثالیں بھی دی ہیں تا کہ طالب علم کے لیے وہ قواعد اور ان سے متعلق مسائل بالکل واضح ہو جائیں۔اسی طرح تیسری خوبی یہ ہے کہ مصنف کتاب نے ان قواعد کے ساتھ جن پر تمام مسالک کے علماء کا اتفاق ہے ان قواعد کو بھی جمع کیا ہے جن پر کسی ایک مسلک کے علماء متفق ہیں اور آخر میں ان قواعد کو بھی کتاب میں شامل کیا ہے جن پر ایک مسلک کے علماء کا بھی باہم اختلاف ہے۔

کتاب کے ابواب کی فہرست حسب ذیل ہے:

تمہید: اس باب میں مصنف نے قواعد فقہیہ کی تعریف، نشوونما، اہمیت، اس کے مصادر، اس ضمن میں لکھی گئی چاروں مسالک کی اہم کتابیں اور عصر حاضر میں اس علم کی اہمیت پر گفتگو کی ہے۔

پہلا باب: اس باب میں مصنف نے قواعد فقہیہ کے بنیادی اور اہم ترین پانچ قاعدوں اور ان سے اخذ کیے جانے والے ذیلی قواعد کا بتفصیل ذکر کیا ہے۔

دوسرا باب: اس باب میں مصنف نے ان قواعد کا ذکر کیا ہے جن پر چاروں مسالک کے علماء متفق ہیں اور ان سے اخذ کیے جانے والے ذیلی قاعدوں کو بھی اس باب میں ذکر کیا ہے۔

تیسرا باب: یہ باب ان قواعد کے لیے مخصوص ہے جو فقہ حنفی میں مذکور ہیں۔

چوتھا باب: یہ باب ان قواعد کے لیے مخصوص ہے جو فقہ مالکی میں مذکور ہیں۔

پانچواں باب: یہ باب ان قواعد کے لیے مخصوص ہے جو فقہ شافعی میں مذکور ہیں۔

چھٹا باب: یہ باب ان قواعد کے لیے مخصوص ہے جو فقہ حنبلی میں مذکور ہیں۔

ساتواں باب اس باب میں ان قواعد کا ذکر ہے جن پر فقہ مالکی کے علماء کا باہم اختلاف ہے۔

آٹھواں باب: اس باب میں ان قواعد کا ذکر ہے جن پر فقہ شافعی کے علماء کا باہم اختلاف ہے۔

نواں باب: اس باب میں ان قواعد کا ذکر ہے جن پر فقہ حنبلی کے علماء کا باہم اختلاف ہے۔

دسواں باب: اس باب میں ان قواعد کا ذکر ہے جن پر فقہ حنفی کے علماء کا باہم اختلاف ہے۔

کتاب کے آخر میں مصنف نے خاتمہ اور فہرست درج کی ہے۔

راقم الحروف کے قلم سے اس کتاب کی تلخیص "الإیجاز فی قواعد الفقہ الإسلامی" کے نام سے آن لائن موجود ہے جسے ajkpen.wordpress.co پر دیکھا جا سکتا ہے۔

❖❖❖

مسابقہ مضمون نویسی

موضوع: اسلاموفوبیا: چیلنجز اور حل

(بھارت کے تناظر میں)

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح عالمیت اور فضیلت کے طلبہ و طالبات کے لیے مندرجہ بالا عنوان کے تحت مضمون نویسی کا اعلان کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتی ہے۔ شرکاء کو توصیفی سند کے ساتھ دیے جانے والے انعامات کی تفصیل اس طرح ہے:

انعام اول: آٹھ ہزار روپے، انعام دوم: چھ ہزار روپے، انعام سوم: پانچ ہزار روپے.

ان کے علاوہ دیگر چھ امیدواروں کو ایک ایک ہزار روپے کے تشجیعی انعامات سے نوازا جائے گا۔

دیگر تفصیلات و شرائط

۱– جامعۃ الفلاح کے صرف عالمیت اور فضیلت کے طلبہ و طالبات شرکت کے مجاز ہوں گے۔

۲– مقالہ کی زبان صرف اردو ہوگی۔

۳– ہاتھ سے تحریر کردہ مقالہ قابل قبول نہیں ہوگا، بلکہ اسے کمپیوٹر پر MS Word میں تحریر کیا جائے۔ مرکزی عنوان کا فونٹ سائز 24، ذیلی عناوین کا 18 اور متن کے فونٹ کا سائز 14 ہونا چاہیے۔ بین السطور فاصلہ 1.5 ہو۔

۴– صفحات کی تعداد حواشی و مراجع سمیت کم سے کم 10 اور زیادہ سے زیادہ 15 ہو۔

۵– مضمون نگار پہلے صفحہ پر اپنا نام ہرگز نہ لکھے، بلکہ ایک الگ ورق پر اپنا نام، تعلیمی درجہ اور فون نمبر نیز دیگر متعلقہ معلومات درج کرے۔

۶– مقالات صرف جریدہ حیات نو کے ایمیل پر ورڈ اور پی ڈی ایف فارمیٹ میں ارسال کیے جائیں۔ خیال رہے کہ جریدے کا ایمیل ایڈریس اب یہ ہے hayatenau1978@gmail.com۔

۷– مقالہ جمع کرنے کی آخری تاریخ اتوار/31 جولائی 2022 ہے۔

۸ — مندرجہ بالا ضوابط کی پابندی نہ کرنے کی شکل میں مقالہ مسترد کیا جاسکتا ہے۔

۹ — ججز صاحبان کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

۱۰ — معیاری مقالات 'حیات نو' میں شائع کیے جائیں گے۔

صدر انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح

اعلانِ اجلاس برائے فارغات جامعۃ الفلاح

محترم فارغات عزیزات السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ آپ کو خوش وخرم اپنے حفظ وامان میں رکھے اور انسانیت کے لیے فلاح ونجات کا ذریعہ بنائے، آمین۔

یہ اطلاع آپ کے لیے باعث مسرت ہوگی کہ انجمن طالبات قدیم جامعۃ الفلاح کا ساتواں اجلاس عام ان شاء اللہ تعالیٰ ۶ تا ۸ نومبر ۲۰۲۲، بہ اتوار تا منگل، منعقد ہوگا جس کا مرکزی موضوع

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ

طے کیا گیا ہے۔ مکمل پروگرام کا خاکہ جلد ترتیب دے کر پیش کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

گزارش ہے کہ دور وقریب کی جملہ فارغات جامعہ اجلاس میں شرکت کی تیاری ابھی سے شروع کردیں۔ مزید یہ کہ اجلاس کے سلسلے میں اپنے مکمل اور ہمہ جہتی تعاون کے لیے ذہن کو تیار رکھیں نیز اپنی آراء وتجاویز و مشوروں سے بھی نوازتی رہیں اور اجلاس کی کامیابی کے لیے دعا کریں۔

نوٹ:

سبھی فارغات بہنیں، انجمن کے گروپ میں اپنا واٹس ایپ نمبر شامل کرالیں۔ اجلاس کے سلسلے میں ضروری معلومات کی ترسیل اسی کے ذریعے ان شاء اللہ کی جاتی رہے گی۔

ساجدہ ابواللیث

صدر انجمن طالبات قدیم